بھٹو کی سیاست

وہ مضامین جنھوں نے ملکی سیاست کا انداز بدل ڈالا

www.bhutto.org

بھٹو کی سیاست

تحریر

ذوالفقار علی بھٹو

شبل پبلیکیشنز

عظمیٰ آرکیڈ مین کلفٹن روڈ

دوسری منزل کراچی۔ فون: ۵۳۳۴۱۴

www.bhutto.org

نام :- ________ بھٹو کی سیاست

قیمت :- ________ سولہ روپے

پرنٹرز :- ________ احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد کراچی

پبلشرز :- ________ شبل پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ عظمیٰ آرکیڈ
مین کلفٹن روڈ۔ دوسری منزل۔ کراچی

www.bhutto.org

www.bhutto.org

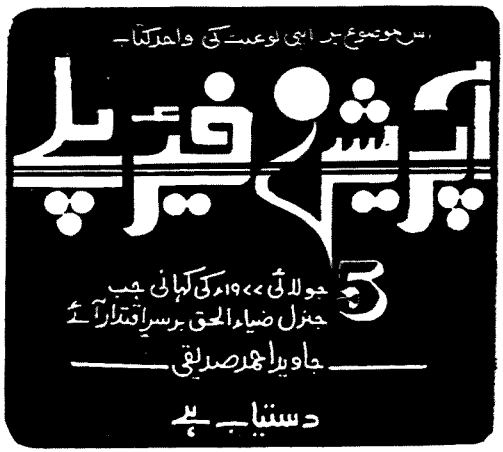

www.bhutto.org

پیش لفظ

یہ تحریر اپریل ۱۹۶۸ء میں لکھی گئی تھی، لیکن گوناگوں وجوہ کے باعث، جو اَن کہی رہیں تو بہتر ہے، اس کی اشاعت میں ناگزیر طور پر دیر ہو گئی۔ بہرحال برق رفتار حالات سے آگاہی کی خاطر طباعت تک کے اہم واقعات اس میں سمو دیے گئے ہیں۔

اصل تحریر انگریزی میں (THE POLITICAL SITUATION IN PAKISTAN) کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ اُردو ترجمہ میرے دوست محمد حنیف رامے نے کیا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو

www.bhutto.org

ترتیب

۱۔ بنیادی حقوق، ۷

۲۔ جمہوریت اور سوشلزم، ۱۳

۳۔ سوشلزم اور اسلام، ۱۷

۴۔ خارجہ پالیسی، ۲۳

۵۔ استحکام کا افسانہ، ۴۱

۶۔ راہِ عمل، ۴۵

www.bhutto.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

بنیادی حقوق

جب سے پاکستان وجود میں آیا ہے ہر حکومت قومی وحدت کے لیے اپیلیں کرتی رہی ہے۔ پاکستان یکے بعد دیگرے مختلف بحرانوں سے گزرتا رہا ہے۔ ہر بحران پہلے سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا رہا ہے اور تمام تر دلسوز اپیلوں کے باوجود قومی وحدت ہم سے گریزاں رہی ہے۔ اس بات کی ضرور کچھ ٹھوس وجوہ ہوں گی کہ ہمارے یہاں وحدت کے بجائے بحرانوں کی بہتات رہی ہے۔ ان وجوہ کے جائزے کی ضرورت ہے۔

ہمارے ملک کو دو طرح کے بحرانوں کا سامنا رہا ہے — عمومی قسم کے بحران جنھوں نے پوری دنیا لیکن خاص طور پر ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے؛ دوسرے وہ بحران جن کے سایے برصغیر پاک و ہند پر مسلط ہیں۔ ان دو بحرانوں میں بڑا واضح تعلق ہے۔ بحرانوں کی نوعیت کچھ بھی ہو، اور وہ سادہ ہوں یا پیچیدہ، ضروری ہے کہ حالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا جائے۔

جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہ ایک ایسے موڑ کی طرف بڑھ رہی ہے جو عالمگیر تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ محض ایک اور ڈائن بائن بچھو نہیں ہوگا۔ ڈائن بائن بچھو اور موجودہ بحران کے درمیان وہی فرق ہے جو ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۸ء میں ہے۔ ہم ایک عمودی چٹان کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ اس کے نیچے موت کی وادی ہے۔ کیا ہمیں جانتے بوجھتے آگے بڑھ کر تباہی سے ہمکنار ہو جانا چاہیے یا پیچھے ہٹ جانا چاہیے؟ پلٹ آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس سے ہماری عزت نفس کو کوئی دھچکا نہیں پہنچے گا۔ اس کا نتیجہ تو صرف یہ ہوگا کہ یہ خوب صورت دنیا خواہ مخواہ کی تباہی سے بچ جائے گی

پاکستان ایک گرداب میں گھرا ہوا ہے۔ جب ہم پیچھے مڑ کر اپنے وجود کے گزشتہ بیس سالوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ بین الاقوامی اور پاک و ہند مسائل کو گڈمڈ کرنے

www.bhutto.org

گا ایک خطرناک رجحان پرورش پاتا رہا ہے۔ اس موقف پر اصرار کرنا بے معنی ہے کہ بحران آج کے دور کا تقاضا اور اس ہمارے مضطرب عہد کا فطری مظہر ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ جو شیطانی رجحان کارفرما ہیں اُن کا دھارا بدل دیا جائے۔

یہ صرف ہمارا ملک ہی نہیں جو بحرانوں کے دائرۃ السّوء میں گرفتار ہے، مگر بہت سے ملکوں نے ہم سے ملتے جلتے مسائل حل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور وہ طاقت پکڑ کر دوسرے معاملات کو سر کرنے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ آگے بڑھنے کی طاقت اپنے بنیادی داخلی مسائل حل کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے دوسرے ملکوں کے برعکس بدقسمتی سے پاکستان ابھی تک اپنے بیشتر بنیادی داخلی مسائل حل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا اثر عوام، ان کے مقدر، ان کے بچوں کی زندگیوں اور ان کے معاشرے کی آئندہ ہیئت پر پڑنے والا ہے۔ جن مسائل کا تعلق عوام اور ان کی امنگوں سے ہے، سچ پوچھیے تو آج تک انھیں عوام کے سامنے رکھا ہی نہیں گیا کہ وہ انھیں حل کرتے۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے یقین دلایا تھا کہ پاکستان کی حکومت اور دستور کا انتخاب پاکستان کے عوام کریں گے۔ یہ وعدہ ہنوز معرض التوا میں ہے۔

جب تک ملک کے عوام اپنے مستقبل کا آزادانہ فیصلہ نہیں کرتے ہماری مشکلات کا خاتمہ محال ہے۔ موجودہ جمود کو محض ہتھکنڈوں سے نہیں توڑا جا سکتا۔ آگے کی جانب کوئی قدم پچھلی غلطیوں کے بوجھ سے آزاد ہو کر ہی اُٹھ سکتا ہے۔

انتشار کے گرد و غبار میں ایک راستے کے نشانات واضح ہو رہے ہیں۔ عوام کی ایک روز افزوں تعداد جس میں نئی نسل سرِفہرست ہے اس نتیجے پر پہنچ گئی ہے کہ پاکستان کے مسائل حل کرنے کے لیے پرانے طور طریقے ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہر عہد کی اپنی سیاسی معنویت ہوتی ہے، اپنے مدوجزر ہوتے ہیں۔ آج کے جوشیلے اور للکارتے ہوئے دور کا تقاضا ہے کہ پاکستان کی پوری آبادی کی بہترین امنگوں کے مطابق معاشرے کی تعمیر کے لیے ایک بالکل نئی راہ تراشی جائے۔ ہم ماضی کی طرف پلٹنے کو تیار نہیں، نہ ہی عوام موجودہ حالات کو مزید برداشت کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے اعلان کیا ہے کہ طاقت

www.bhutto.org

کے مالک عوام ہیں۔

داخلی اختلافات کو باہم رضامندی اور افہام و تفہیم سے حل کرنا لابدی ہے۔ طرزِ حکومت اور دستور کے متعلق طویل مباحثہ بالآخر انجام کو پہنچ جانا چاہیے۔ آزادیٔ ضمیر کے اس دور میں عوام کی دانش مندی پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان نے حکومت اور دستور کے خاصے تجربے کر دیکھے ہیں۔ اپنی اجتماعی ذہانت کے بل پر جیسے پچھلے بیس سال کے تجربے نے مزید پختگی عطا کر دی ہے، ہمارے عوام اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کی بہترین صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ بنیادی جمہوریت، جو فاشزم کا دوسرا نام ہے، ہمارے کام نہیں آ سکتی۔ ایسے آزاد اداروں کی ضرورت ہے جو اپنے خالقوں کے بعد بھی قائم رہ سکیں اور جن میں ایسے افراد کے خلاف مدافعت کی سکت ہو جو طاقت کے حریص اور دولت کے رسیا ہیں۔ ان اداروں کی کارکردگی سے عوام میں اعتماد ابھرنا چاہیے۔ جس کا مطلب ہے کہ انھیں مطلق العنان طاقت کی مشقِ ستم کے خلاف معاشرے کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے۔ قانون کو یوں عمل میں آنا چاہیے کہ وہ عوام کے ہاتھ کی تلوار ہو نہ کہ موجودہ غیر منصفانہ صورتِ حال کو برقرار رکھنے کی ڈھال۔ جب عوام اپنے قدموں پر کھڑے ہوں گے تو آج کی قتل گاہوں پر ایک عادلانہ معاشرے کی بنیاد رکھیں گے۔ وہ ہم مرتبہ مردوں اور عورتوں پر مبنی ایک آزاد بھائی چارے کی تخلیق کریں گے جو اُن کے آدرشوں کی تکمیل کا درجہ رکھے گا۔

یہ صرف پاکستان کے عوام کا حق ہے کہ وہ غلط یا صحیح فیصلہ کریں کہ ریاست کو فیڈریشن ہونا چاہیے یا وحدانی؛ دونوں بازوؤں کا مرکز کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ کیا رشتہ ہونا چاہیے؛ طرزِ حکومت پارلیمانی ہو یا صدارتی یا اس کی کوئی ایسی صورت ہونی چاہیے جس میں ان دونوں نظاموں کے عناصر گھلے ملے ہوں؟ فیڈرل نظام ہو یا وحدانی، دونوں جمہوریت سے ہم آہنگ ہیں۔ یہی کچھ پارلیمانی اور صدارتی نظاموں کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ اس سے اس دلیل کو مزید تقویت ملتی ہے کہ ایسے مسائل پر عوام کے خیالات معلوم کرنے ضروری ہیں جن کا حل مجرد اصولوں کے بارے میں مناظرہ بازی کے ذریعے تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ قانون ساز اسمبلیاں کسی انتخابی ادارے کے بجائے بالغ آبادی کے براہِ راست

www.bhutto.org

ووٹوں سے منتخب ہونی چاہئیں۔ بالواسطہ انتخابات کے نظام میں بدعنوانی اور دھاندلی کا شکار ہو جانے کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ پوری کی پوری آبادی کو ڈرانا دھمکانا اور بہلا پھسلانا ناممکن نہیں مگر کسی انتخابی ادارے کے گنے چنے افراد کو ایذاؤں یا نوازشوں سے متاثر کر لینا کہیں آسان ہے۔ ووٹ کا حق استعمال کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہونی چاہیے اور نہ ہی اُسے صاحبِ جائداد یا تعلیم یافتہ ہونے سے مشروط کرنا چاہیے اور یہ حق دونوں جنسوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔

آزادی کی فضا میں عوام اپنی دیانت دارانہ رائے کے استعمال میں کوئی روک ٹوک محسوس نہیں کریں گے۔ عوام کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کا دستوری طور پر اقرار ہونا چاہیے جس معاشرے میں شہری آزادیاں کارفرما ہوں، یا ہوں تو برائے نام ہوں، وہ ایک غلام معاشرہ ہے۔ وہ بنیادی حقوق جو دستور میں حادثتاً جگہ پا گئے اب سوچے سمجھے طریقے سے کالعدم قرار دیے جا چکے ہیں۔ سترہ دن کی جنگ ۱۹۶۵ء میں ختم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اعلانِ تاشقند ہوا اور ۱۹۶۷-۶۸ء کے بجٹ میں دفاع کے اخراجات میں کمی کر دی گئی۔ بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات میں تبدیلی کے جو تازہ رجحانات سامنے آ رہے ہیں اور جس طرح ہم صلح و آشتی کے زینے پر کشاں کشاں بڑھ رہے ہیں ان کے پیشِ نظر ڈیفنس آف پاکستان رولز کو نافذ رکھنے کا کوئی قابلِ قبول جواز باقی نہیں رہتا۔

ناجائز اختیارات کو بے نقاب کرنے کے بجائے کھلے بندوں سمگلنگ اور بددیانتی کی سرطانی افزائش نے دوسری برائیوں کے ساتھ ڈیرے ڈال کر عوام اور حقیقت کے درمیان پردے ڈال دیے ہیں۔ جرم اور تشدد میں مہیب ناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ بدعنوانی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ عام آدمی کے لیے اتنے پیسے کمانا محال ہو گیا ہے کہ وہ شریفانہ زندگی گزار سکے۔ ٹیکسوں کا بوجھ بڑھتا جا رہا ہے اور متوسط طبقہ بُری طرح ان کی زد میں آیا ہوا ہے۔ یہ حالات چین کی کومن تانگ حکومت کے دور کے حالات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ صنعت کاروں اور افسروں کے درمیان اقتصادی اور سیاسی طاقت میں ساجھے کی خاطر نکاح ہو چکا ہے۔ دیہات میں زندگی غیر محفوظ ہو گئی ہے۔ شہروں میں سکونت

www.bhutto.org

کی ناگفتہ بہ حالت سے اور چاروں طرف بے ہنگم، غلیظ آبادیاں پھیلتی جا رہی ہیں، جن کا لوگوں کی صحت پر نہایت بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ ہسپتالوں میں مہلک بیماریوں کے علاج کی سہولت میسّر نہیں۔ نقلی دوائیاں بیماروں کو دی جاتی ہیں، جو انھیں فوری طور پر موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔ وہ بدمعاش جو اشیائے خوردنی میں آمیزش کرتے ہیں اور اپنی ناجائز دولت میں چور بازاری سے دن دونا اضافہ کرتے ہیں انھیں سزا کا کوئی خوف نہیں رہا۔ سرکاری ٹرانسپورٹ کے نظام کی کارکردگی شرمناک ہے۔ حادثات کی اتنی بھرمار ہے کہ شاہراہیں موت کے پھندے بن گئی ہیں۔ ٹرینوں کو دن دہاڑے روکا جاتا اور مسافروں کو لوٹا جاتا ہے، جبکہ ڈاکوؤں اور پولیس کے درمیان گھنٹوں باقاعدہ بندوق بازی ہوتی ہے۔ دریائی اور جنگلی علاقے لٹیروں کی پناہ گاہیں بن چکے ہیں۔ معصوم نوجوان لڑکوں کو زبردستی اُن بیگار کیمپوں میں دھکیلا جا رہا ہے، جو قصبات کے مضافات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لاہور جیسے بڑے شہروں میں گواہوں کو کچہریوں کی حدوں میں قتل کیا جا رہا ہے۔ قانون ساز اسمبلیوں کے ارکان پر قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں۔ لیکن مجرم فرار ہو جاتے ہیں اور شناخت نہیں ہو پاتے۔

پریس پابہ زنجیر ہے اور مطبوعہ لفظ کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ سیاسی لیڈروں کو ستایا اور سیاسی پارٹیوں کو دبایا جا رہا ہے۔ اُن لوگوں کو جو قیامِ پاکستان کے لیے لڑے اور جنھوں نے مشکل ترین لمحات میں پاکستان کے وقار کی حفاظت کی ہتک و شتم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ہڑتال کا حق دیا جاتا ہے اور نہ غریبوں کی دلجوئی کا کوئی سامان کیا جاتا ہے۔ نوزائیدہ صنعت کار طبقے کی تجوریاں بھرنے کے لیے محنت کش طبقوں کا خون نچوڑا جا رہا ہے۔ ملکی نظم و نسق ایک ظالمانہ افسر شاہی کے پاؤں تلے دم توڑ رہا ہے، جو سیاست میں روز بہ روز گھناؤنا کردار ادا کر رہی ہے۔ قانونی ڈھانچے میں رخنہ اندازی نے انتشار کی فضا کو اور بھی گہرا کر دیا ہے۔

اس حکومت نے طلباء کو خاص طور پر تختۂ مشقِ ستم بنایا ہے۔ ہمارے نوجوان طبقے کو، جس سے ہم اپنے مستقبل کی تمام امیدیں وابستہ رکھتے ہیں، شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ پاکستان کی جواں مردی کے جوہر کو کُند کرنے کے لیے ظالمانہ آرڈیننس نافذ کیے

www.bhutto.org

گئے ہیں۔ وہ سندیں جو ایسے علم کے حصول کا ثبوت ہیں، جو کسی سے واپس نہیں لیا جا سکتا، انھیں ضبط کر کے واپس لے لیا جاتا ہے ـــــ ذہنوں پر یہ ڈاکا سرکاری طور پر ڈالا جا رہا ہے۔ نوجوان نسل پر بھروسا کرنے کی جرأت کے بجائے حکومت ہمارے طلباء کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے اور آبادی کے اس حصے سے اتنا ڈرتی ہے کہ کسی دوسرے سے نہیں ڈرتی۔

دوسری تمام آزادیوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی آزادی بھی چھین لی گئی ہے اور یونیورسٹیوں کو خود مختاری سے محروم کر کے محکوم بنا لیا گیا ہے۔ اگر یہی کیفیت جاری رہی تو انجام کار پولیس ہی یہ فیصلہ کیا کرے گی کہ کیا پڑھایا جائے۔ اگر حکومت ذرائع نشر و اشاعت پر تمام تر کنٹرول رکھتے ہوئے بھی طلباء کی تائید حاصل کرنے میں ناکام ہے تو وہ لوگ طالب علموں کو کیونکر گمراہ کر سکتے ہیں جنھیں ان تک پہنچنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا۔ طلباء کی جمعیت اب اپنے لیے خود سوچ بچار کرنے لگی ہے اس لیے اب اسے گمراہ کرنا آسان نہیں۔ حکومت چونکہ عوام سے دُور ہو چکی ہے اس لیے نہ تو نوجوانوں کو سمجھ سکتی ہے اور نہ عام لوگوں کی امنگوں کو۔ یوں اس حکومت نے موجودہ نسل کو مایوس کیا ہے اور آئندہ نسل کی تائید بھی گنوا دی ہے۔

پھر عجب کیا کہ پریس کا منہ بند کر دیا گیا ہے اور الیکشن کو خاموش۔ حکومت کی آواز ہی سچائی کی واحد آواز ہے اور اسے نازی انداز کے پراپیگنڈے کی شکل میں مقبوضہ پریس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر متنفر انگیز حد تک اچھالا جاتا ہے۔ جدھر بھی دیکھیں آپ کو بے اطمینانی بڑھے گی۔ غریبوں کے لیے بدعنوانی، خویش پروری اور لاقانونیت کا بڑھتا ہوا وبال اب ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ استحصال اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا ہے۔

---

www.bhutto.org

(۲)

جمہوریت اور سوشلزم

شہری آزادیوں میں ہماری آئندہ مسرت کا راز مضمر ہے۔ مختلف مفادات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے جو عناصر ناگزیر ہیں ان میں شہری آزادیوں کو اوّلین مقام حاصل ہے۔ تمام بنیادی حقوق اہم ہیں اور تنسیخ ہو یا ترویج انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کسی آزاد معاشرے کا ڈھانچا مجموعی طور پر اُن تمام حقوق پر قائم ہوتا ہے جو بنیادی ہیں۔ سچ مچ کی آزادیٔ اظہار صحیح معنی میں زیرِ عمل آ ہی نہیں سکتی، جب تک کہ پریس آزاد نہ ہو یا آزادانہ میل جول کا مناسب موقع میسّر نہ ہو۔ پریس کا کام لوگوں کو بے خبر رکھنا نہیں، باخبر رکھنا ہے۔ ہمارے پریس سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ جھوٹ بولے، غلط خبریں دے اور کیچڑ اچھالے۔ آج پریس کو دھوکا دینے پر تو نوازا جاتا ہے، مگر اس مطالبے سے گریز کرنے پر معتوب کیا جاتا ہے۔ موجودہ حالات میں یہ پاکستان کے عوام کی ذمہ داری ہے کہ پریس کی آزادی کی بحالی کے لیے جدوجہد کریں۔ اگر تمام جمہوری طاقتیں عزمِ صمیم کر لیں اور سر جوڑ لیں تو عوام کو ناکامی نہیں ہوگی۔ ہاں اگر پریس کے کچھ ارکان اشتہارات اور سرکاری سرپرستی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں تو یہ اپنے ہاتھوں اپنے مقاصد کا گلا گھونٹنے کے مترادف ہے۔ یہ پریس کی صوابدید پر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کس کا انتخاب کرے۔

موجودہ حالات کی جگہ ایک ایسے جمہوری اختیار کا دَور دورہ ہونا چاہیے جس میں پوری کی پوری آبادی نہ صرف شریک ہو بلکہ اس بات کا احساس رکھے کہ اُسے یہ اختیار حاصل ہے اور اس پر فخر کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بنیادی حقوق کو بحال کیا جائے اور پاکستان کے عوام کو ایک ایسے مساویانہ معاشرے کے قیام کے لیے ابھارا جائے جو لوگوں کی ضروریات کا کفیل ہو اور اُن کے زیرِ اثر ہو۔ تمام تر طاقت عوام کو منتقل ہو جانی چاہیے۔ یہ صرف جمہوریت کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ "جمہوریت ہماری سیاست ہے"

www.bhutto.org

کے اصول کے پیچھے یہی حقیقت کارفرما ہے۔

جمہوریت ضروری ہے لیکن یہ بذاتہ کوئی منتہیٰ نہیں۔ جمہوریت کے قیام کی جدوجہد میں ہمیں اقتصادی مقاصد کو ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہیے جو اولین حیثیت کے حامل ہیں۔ اقتصادی ترقی کے بغیر کوئی قوم خالی خولی جمہوریت سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔ جمہوری آزادی ضروری ہے لیکن اقتصادی مساوات اور انصاف اُور بھی ضروری ہیں۔ اقتصادی تبدیلیوں کے بغیر قومی زندگی میں کوئی درخشاں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ اقتصادی مسائل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر عوام کی غلامی کا خاتمہ درکار ہے تو جمہوریت کے شانہ بہ شانہ کشادہ دل سوشلزم کی بھی ضرورت ہے۔ اس گنجان آباد ملک کے محدود ذرائع کو ضائع کیا جا رہا ہے اور بین الاقوامی منڈی میں خام مال کی گرتی ہوئی قیمتوں کے باعث صنعتی ممالک سے ضروری سامان خریدنے کی صلاحیت کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال میں ہمارے اقتصادی مسائل کا واحد حل سوشلزم ہے۔ سوشلزم ہی استحصال کے خاتمے اور وحدت کے فروغ کی واحد راہ ہے۔ جب تک استحصال ختم نہیں ہوتا وحدت ایک نعرے کے سوا کچھ نہیں۔

ہم اقتصادی تباہی کے کنارے کھڑے ہیں۔ سرمایہ دار نوابوں کا ایک مختصر سا طبقہ قومی دولت کو بے دردی سے لوٹ رہا ہے۔ امیر اور غریب کے درمیان تفاوت آئے دن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس امتیاز کو مٹانے کے لیے ایسا کوئی قانون نہیں جو اجارہ داریوں اور صنعت مالاؤں کے خلاف ہو۔ موجودہ نظام کو انسانیت نواز سرمایہ داری ہی کی کوئی شکل دینے کا برائے نام تذکرہ بھی نہیں پایا جاتا، جیسا کہ زیادہ سمجھدار سرمایہ دار ممالک میں ملتا ہے۔ یہاں پاکستان میں تو کھلی لوٹ مار مچی ہوتی ہے۔ نجی سرمایہ کاری کو مہمیز لگانے کے بہانے ایسی ناجائز مراعات دی جا رہی ہیں جن سے استحصال کی ہمہ گیری میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ملک نے ابھی تک اپنی صنعتی بنیاد مستحکم نہیں کی جس سے صنعت اپنے قدموں پر کھڑی ہو سکے۔ صرف فیکٹریاں قائم کرنے کے لیے ہی نہیں، انھیں جاری رکھنے کے لیے بھی بیرونی امداد درکار ہے۔ اب جب کہ بیرونی امداد میں کمی واقع ہو گئی ہے تو پاکستانی صنعتیں یا تو بند ہوتی جا رہی ہیں یا پھر دن میں ایک شفٹ کام کر رہی ہیں۔ بُرا بھلا جو زرِ مبادلہ حاصل ہو رہا ہے اس

www.bhutto.org

کی خاطر موجودہ حکومت برآمدات پر اپنی گرہ سے مالی امداد دے رہی ہے۔ اگر تجزیہ کیا جائے تو اس مالی امداد کا بوجھ بالآخر زراعت پر پڑتا ہے یا ان صنعتی مزدوروں پر جو ضروریاتِ زندگی کی روز افزوں قیمتوں کے مطابق خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔

شاید یہ خیال کیا جاتا ہو کہ بیرونی امداد سے قوم کی نجات ہو جائے گی، لیکن اس کی کوئی امید نہیں۔ ویت نام کی جنگ اور بڑے پیمانے کی بیرونی امداد کے بارے میں امریکی کانگریس کے رویے سے عیاں ہے کہ پاکستان کو بچے کھچے ٹکڑوں پر قناعت کرنی ہوگی۔ بیرونی امداد کا حصول یوں بھی بیکار ہے، کیونکہ یہ اتنی غیر پیداکار ہے کہ اس کے باعث اُبھرنے والے قرضوں کی ادائیگی کی خاطر قوم کے خون کا قطرہ قطرہ نچوڑا جا رہا ہے۔ چنانچہ ہمارے سامنے ایک ایسی حکومت کی پریشان تصویر ہے جو ایک طرف تو یہ دعویٰ رکھتی ہے کہ جن ملکوں کو بیرونی امداد ملتی ہے ان میں وہ سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے اور دوسری طرف سُود کی شرح میں کمی کی بھیک مانگ رہی ہے بلکہ دبے لفظوں میں التوائے قرض کی اجازت چاہ رہی ہے۔

یہ محض سُود کی اُونچی شرح ہی نہیں جس کے باعث بیرونی امداد قابلِ اعتراض ٹھہرتی ہے۔ امداد کا بہت بڑا حصّہ اجناسی امداد کی صُورت میں آتا ہے۔ چند سال پہلے حکومت کو زرعی پیداوار کی کمی دُور کرنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے بجائے اس نے پی۔ایل ۴۸۰ کے تحت امریکی گندم درآمد کرنے پر تکیہ کیا تھا۔ اب ہم اس کوتاہ اندیش پالیسی کی بھاری قیمت ادا کر رہے ہیں۔ لیکن اجناسی امداد میں ایک اور بڑی خرابی ہے کہ وہ فوری طور پر صَرف ہو جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کو ایسی اجناس کے دام بھرنے پڑیں گے جن کی انھوں نے شکل بھی نہ دیکھی ہوگی۔

قرضوں کی ادائیگی کے بھاری بوجھ کے ساتھ ساتھ لازمی درآمدات، جن میں فوجی سامان بھی شامل ہے، پر اُٹھنے والے زرِ مبادلہ کے خرچ نے حکومت کو حواس باختہ کر دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حکومت اتنی گر بڑا گئی ہے کہ اس نے یکایک صنعت سے منہ پھیر کر زراعت سے معجزے کی توقع وابستہ کر لی ہے۔ اور لیجیے یہ رہی معجزاتی گندم اور یہ رہا معجزاتی چاول ـــــ دونوں بانڈوں کے لیے ایک ایک معجزہ مستقبل قریب میں حالات سدھرنے کی کوئی صُورت نظر

www.bhutto.org

نہیں آتی۔ بیرونی امداد میں کمی کے باعث افراطِ زر کو ہوا ملے گی قیمتیں ابھی سے اندازے سے زیادہ اونچی اُٹھ گئی ہیں۔ آئندہ یہ رفتار اور بھی تیز ہو جائے گی۔

www.bhutto.org

(۳)

سوشلزم اور اسلام

سوشلزم ہی سب کے لیے مساوی مواقع پیدا کر کے استحصال سے بچا سکتی ہے، طبقاتی امتیاز کی دیواریں توڑ سکتی ہے اور اقتصادی اور سماجی انصاف کو قائم کر سکتی ہے۔ سوشلزم جمہوریت کا اعلیٰ ترین اظہار ہے اور اس کی منطقی ثمر آوری۔ سوشلزم کا دائرۂ کار تا حد قیاس وسیع ہے۔ اُن ملکوں کے علاوہ جو انقلاب کی بھٹی سے گزرے ہیں کئی ایسے ملک ہیں جن میں دستوری شہنشاہیاں بھی شامل ہیں، جہاں تشدد آمیز تبدیلیوں کے بغیر سوشلسٹ تقاضوں کو بتدریج پورا کیا گیا ہے۔ سوشلزم کے اصول کی ہمہ گیری بنیادی طور پر دو باتوں پر منحصر ہے۔ اوّل، جدید سوشلزم کی بنیاد معروضی ہے۔ دوم، سوشلسٹ طرزِ فکر دنیا کے ہر خطے کے ہر ملک کے کار فرما اقتصادی اور سیاسی حالات سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے سوشلزم پاکستان کے لیے براہِ راست توجہ کے لائق ہے، جو ایک ایسا ترقی پذیر مُلک ہے جہاں داخلی اور خارجی استحصال کا دَور دورہ ہے۔

قومی دولت کے زینے پر پاکستان سب سے نچلی سیڑھی پر کھڑا ہے اور انسانی ابتلاء کی جو مجموعی کیفیت یہاں پائی جاتی ہے وہ دُنیا بھر میں پاکستان جیسے کسی علاقے میں نہیں پائی جاتی جہاں بارہ کروڑ انسان بستے ہیں۔ پاکستان دُنیا کا وہ علاقہ ہے جہاں افلاس کی گھٹائیں سب سے گہری ہیں۔ سوشلزم کے ذریعے اس داغ کو دھونا ہی پڑے گا۔ سب سے پہلا قدم یہ ہوگا کہ غاصبانہ سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیا جائے اور سوشلزم کو حرکت میں لایا جائے۔ ذرائع پیداوار کو، جو صنعتی ترقی کو جنم دیتے ہیں، یا جن پر صنعتوں کا انحصار ہے، ہرگز نجی ہاتھوں میں نہیں رہنے دینا چاہیے۔ تمام کاروبار جو قومی معیشت کے بالائی ڈھانچے کی تشکیل کرتے ہیں، لازماً عوامی ملکیت میں ہونے چاہئیں۔

بنیادی ذرائع پیداوار اور ذرائع مبادلہ پر عوامی اختیار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نجی سیکٹر

www.bhutto.org

کو ختم کر دیا جائے گا۔ نجی کاروباریوں کو اپنا مفید کردار انجام دینے کی مہلت دی جائے گی۔ لیکن وہ اجارہ دارانہ ذخائر قائم کرنے کے قابل نہ ہوں گے۔ نجی سیکٹر کو کھلی حالات کے تحت پروان چڑھنا چاہیے جو نجی کاروبار کو زیب دیتے ہیں، یعنی مقابلے کے حالات، نہ کہ اس طرح کے سرکاری تحفظ کی آڑ میں، جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے۔

عوامی ملکیت کو ریاستی سرمایہ داری کی سطح پر گرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ محنت کشوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ مناسب ترغیبات کے ذریعے فیکٹریوں کو مستعدی کے ساتھ چلانے میں حصّہ لیں۔ ذرائع کو قومیانے کے ساتھ ساتھ ایسے اقدامات کیے جائیں گے جن کے باعث محنت کشوں کے حالات بہتر ہوں۔ انھیں مناسب سکونت، تفریح، اپنے اور اپنے کنبوں کے علاج، اور بچوں کی تعلیم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی اور اُن تمام دوسرے طریقوں کو بروئے عمل لایا جائے گا جن سے اُن کا معیارِ زندگی اور ثقافتی سطح بلند ہو۔ ایک جگہ کے حالات دوسری جگہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ پاکستان میں جو سوشلزم نافذ ہو سکتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے نظریۂ حیات سے ہم آہنگ ہو اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے جمہوری ہو۔ کسی طرح کی بیرونی مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر سوشلزم کی اسکنڈی نیوین قسم ہو سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سوشلزم کی پاکستانی قسم نہ ہو جو ہمارے مزاج کے حسبِ حال ہو۔ "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کیونکہ سوشلزم کے بغیر ہم سچی وحدت اور سچی مساوات حاصل نہیں کر سکتے جو ایک ایسی قوم کے لیے اور بھی قیمتی ہے جو جغرافیائی طور پر دو حصّوں میں بٹی ہوئی ہے۔

اسلام اور سوشلزم کے اصول ایک دوسرے سے متضاد نہیں۔ اسلام مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور سوشلزم مساوات کے حصول کا جدید طریقہ ہے۔ پاکستان کے عظیم شاعر و فلسفی ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے پاکستان کے متعلق یہی خواب دیکھا تھا کہ سوشلسٹ طرز کی اسلامی ریاست ہوگا۔ اُن کے خواب کا صرف ایک حصّہ شرمندۂ تعبیر ہوا ہے۔ پاکستان ایک مسلمان ریاست ہے۔ لیکن اس میں کارفرما غاصبانہ سرمایہ داری جس نے عوام کو تباہ و برباد کر دیا ہے، اسلامی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ پاکستان کے بانی محمد علی جناحؒ نے

www.bhutto.org

بھی ایک سے زیادہ موقعوں پر اعلان کیا تھا کہ پاکستان سوشلسٹ طرزِ حکومت کی حامل اسلامی ریاست ہوگا۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں دہلی کی ایک تقریر کے دوران قائداعظمؒ نے پاکستان کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ یہی تھا کہ پاکستان میں ایک عوامی حکومت ہوگی۔ انھوں نے اُن زمینداروں اور سرمایہ داروں کو تنبیہ کی تھی جو عوام کا خون چوس چوس کر "ایک ایسے نظام کے ذریعے پھول پھل رہے ہیں جو انتہائی بدکارانہ ہے، جو انتہائی عیارانہ ہے اور جو انسانوں کو اتنا خودغرض بنا دیتا ہے کہ اُن پر کوئی دلیل اثر نہیں کرتی۔" انھوں نے کہا تھا:

"پاکستان کا دستور اور طرزِ حکومت وہی ہوں گے جو لوگ طے کریں گے۔"

"اسلام ہمارا دین ہے" اور یہی پاکستان کی بنیاد ہے۔ اسلام کی برتری کے بغیر پاکستان قائم نہیں رہ سکتا۔ سوشلسٹ انداز کی حکومت اس برتری کی رقیب نہیں۔ اس کے برعکس سوشلزم پوری قوم کو اسلامی قدروں کا محافظ بنا دے گی۔ تمام تر ذمہ داری کو اُن مٹھی بھر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں دے کر جنھیں بابائے قوم نے "ایسے خودغرض افراد کا نام دیا تھا جن پر کوئی دلیل کارگر نہیں ہوتی" ہم نظریۂ پاکستان کو بیرونی اثرات کی زد میں لے آتے ہیں۔ بیرونی طاقتیں پاکستان کی پوری کی پوری آبادی کو نہیں خرید سکتیں۔ بیرونی طاقتیں صرف ایسے غرض مندانہ مفادات پر اختیار حاصل کر سکتی ہیں جن کا بیرونی سرمایے کے ساتھ کوئی مشترک مفاد ہو۔ حق تو یہ ہے کہ غرض مندانہ مفادات بیرونی طاقتوں کے پروردہ ہیں۔ ایک پوشیدہ ہاتھ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی ترقی پذیر اقوام کی صفوں میں بے رحمی کے ساتھ حرکت میں ہے۔ پاکستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ بیرونی اثرات کو مہلت دی گئی ہے کہ وہ پاکستان کے اندر دُور دُور تک سرایت کر جائیں۔ متعدد موقعوں پر بیرونی دباؤ کے تحت بنیادی قومی مفادات پر سمجھوتہ بازی کی گئی ہے۔ یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب عوام کو اختیار حاصل ہو۔ پوری کی پوری آبادی کو رشوت نہیں دی جا سکتی اور نہ سب کے سب بیرونی ایجنٹ ہی بن سکتے ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو اس

www.bhutto.org

قوم کے اسلامی نظریۂ حیات کا بہترین طور پر تحفظ پاکستان کے عوام ہی کر سکتے ہیں اور اس کے ضمن میں وہ مٹھی بھر صنعت کار کچھ نہیں کر سکتے جن کی فیکٹریاں سال بہ سال بیرونی امداد پر چل رہی ہیں۔

معروضی طور پر مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اسلام اور سوشلزم کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ اگر ایسا کوئی تضاد ہوتا تو نہ مفکرِ پاکستان، اور نہ معمارِ پاکستان ہی نے، سوشلزم کی وکالت کی ہوتی۔ اُن کے نظریات کی دستاویزی شہادت موجود ہے اور اُن کو چھوڑ کر اُن بیچ افراد کے پیچھے لگنا کوئی معنی نہیں رکھتا جنھوں نے اس حکومت کی آڑ میں اتنے بال و پر نکالے کہ بابائے قوم کی تردید کرنے چل دیے۔ پاکستان کی تمام حکومتوں کی جانب سے ہونے والے اتحاد کی اپیل کو ایک ایک کر کے رد کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اب یہ نوبت آگئی ہے کہ موجودہ حکومت ایسی سازشیں کھود نکالنے لگی ہے جو قومی اتحاد کی جڑ کاٹ رہی ہیں۔ ایسا کیوں ہے جب کہ پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں برصغیر کے مسلمانوں نے متحدہ طور پر حصہ لیا تھا؟ پاکستان کے قیام کے وقت پاکستان کا اتحاد دوسرے ملکوں کے لیے باعثِ رشک تھا۔ یہ شاندار اتحاد کیوں ہوا میں تحلیل ہوتا جا رہا ہے؟ اسلامی بھائی چارا جو ہمارے اتحاد کی بنیاد فراہم کرتا ہے کیوں خطرے میں ہے؟ ہمارا شیرازہ اس لیے بکھر رہا ہے کہ موجودہ نظام میں عوام پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ اُن کے حقوق منسوخ کر دیے گئے ہیں اور اُن کے مقدر کو متاثر کرنے والے مسائل پر اُن کی رائے نہیں لی جاتی۔ عوام اور حکومت کے درمیان خلیج بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

عوام کی بے دردانہ لوٹ کھسوٹ قومی اتحاد کو کمزور کر رہی ہے اور ملک بھر میں شدید تناؤ پیدا کر رہی ہے۔ پاکستان کے اتحاد کو محض پند و نصائح سے یا عدالتی احکام سے قائم نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ ان سب اور بہت سی دیگر متعلقہ وجوہ کی بنا پر لوگوں کے درمیان اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں۔ حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے، لیکن مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان تعلقات ایک نازک موڑ پر پہنچ چکے ہیں۔ فروری کے آخری ہفتے میں بنگال کے ایک مرکزی وزیر نے اس پریشان کن صورتِ حال کا تجزیہ کیا تھا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اُس نے ساری بے چینی کی وجہ یہ بتائی کہ ناکارہ درسی کتابوں کا استعمال نوجوان نسل کو

www.bhutto.org

گمراہ کر رہا ہے۔ شاید وزیر موصوف کی نظر میں پاکستان ایک عارضی مظہر ہے۔ اس لیے انھوں نے نوجوانوں کے لئے لیے کہ وہ اُس نسل کے مصائب کو بھول گئے ہیں جس نے انگریزوں اور کانگرس کے ہاتھوں دُکھ جھیلے تھے۔ وزیر موصوف کو علم ہونا چاہیے تھا کہ کشیدگی کی وجوہ کہیں زیادہ گہری ہیں اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ ناکارہ درسی کتابوں کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی ہمارے عوام کے کمزور حافظے کا۔ نظریات ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور نظریۂ پاکستان، جو انصاف اور مساوات پر مبنی ہے، کوئی عارضی عنصر نہیں جو صرف اُن لوگوں کے حافظے میں محفوظ رہے، جنھیں بیرونی راج کے تحت دن گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

جب آزادی کی رُوح کی جگہ غلامی کی کوئی نئی قسم مسلط ہو جائے، تو گزشتہ قربانیوں کی یاد کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ بھی محو ہو جاتا ہے۔ مُلک کے گوشے گوشے میں جو حالات کارفرما ہیں وہ اصلاح کا تقاضا کر رہے ہیں اور مشرقی بازو میں یہ تقاضا سب سے شدید ہے۔

پاکستان ایک قوم، ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ جغرافیائی تقسیم قوم کو تقسیم نہیں کرتی۔ اس کا کوئی ایک حصّہ دوسرے حصّے پر فوقیت نہیں رکھتا کیونکہ سب برابر ہیں۔ پاکستان ایک سالم سانچے میں، ایک ہی وقت میں ڈھالا گیا تھا۔ پاکستان کے کسی جغرافیائی حصّے کو یہ حق نہیں کہ دوسرے سے بالا بالا اپنے لیے پاکستان کا نام اختیار کر لے۔ دونوں بازوؤں کے لوگوں نے آزادی کی خاطر، پاکستان کی خاطر، یکساں قربانیاں دیں اور مصیبتیں سہی ہیں۔ اگر مغربی پاکستان کو ریڈکلف کے غیر منصفانہ فیصلے کے ذریعے وسیع علاقوں سے محروم کر دیا گیا تو اسی طرح مشرقی پاکستان کو بھی اس کے علاقوں سے محروم کیا گیا ہے۔ دونوں بازوؤں کے بنیادی مفادات مشترک ہیں۔ اور اگر تمام حصّوں میں جمہوری مساوات نافذ ہو تو اتحاد بحال ہو جائے گا۔

پاکستان کا اتحاد اُس وقت بروئے عمل آئے گا جب عوام کو اُن کے سیاسی حقوق جن میں اقتصادی مساوات بھی شامل ہے، دے دیے جائیں گے۔ لُوٹ کھسوٹ

www.bhutto.org

جتنی زیادہ سوگی قومی اتحاد اتنا ہی محال ہوتا چلا جائے گا۔ جتنی جلدی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ ہوگا اتنی جلدی اتحاد کی فضا پیدا ہو جائے گی۔ پاکستان کے وہ شاندار عوام جن کی پشت پر ایک بھرپور اور قابل فخر تاریخی ورثہ ہے۔ ماضی کی طرح دوبارہ متحد ہو جائیں گے۔ شرط یہ ہے کہ ان کے حقوق بحال کر دیے جائیں۔ یہی وجہ ہے پاکستان پیپلز پارٹی نہایت عزم کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ:

اسلام ہمارا دین ہے۔
جمہوریت ہماری سیاست ہے۔
سوشلزم ہماری معیشت ہے۔
طاقت کے مالک عوام ہیں۔

یہ چار ستون پاکستان کی عمارت کو مضبوط اور محفوظ بنا دیں گے۔ جب یہ اصول نافذ ہوں گے تو تمام قسم کی اندرونی اور بیرونی تخریبی کارروائیاں رک جائیں گی۔ ان اصولوں کے پرچم تلے پاکستان برصغیر کے مسلمانوں سے کیے ہوئے عہد کو ایفا کرے گا اور جموں اور کشمیر کے عوام کو بھارت کے چنگل سے آزاد کرائے گا۔

---

www.bhutto.org

(۴)

خارجہ پالیسی

پاکستان کی خارجہ پالیسی کئی طوفانوں سے گزری ہے۔ اس کی بنیاد کئی واہموں پر رکھی گئی ہے۔ ہم نے موقع دیا ہے کہ زمانے کے حالات پاکستان کو پیچھے چھوڑ جائیں۔ ایسے مواقع اکثر آئے ہیں کہ ہم بودی دلیلوں سے دیوانہ وار چمٹے رہے اور مستحکم دلیلوں کو سرسری طور پر ٹالتے رہے۔ ہم نے یکے بعد دیگرے کتنی ہی مایوسیاں سہی ہیں اور کتنی ہی ناکامیوں کا منہ دیکھا ہے۔ ہم ایک انتہا سے دوسری انتہا کی جانب لڑھکتے رہے ہیں؛ سرکشی سے اطاعت گزاری تک، غرور و تکبر سے عجز و انکسار تک، تیزی اور طراری سے سستی اور جمود تک پاکستان کی خارجہ پالیسی نامرادی اور مایوسی کا شکار ہوتی رہی ہے۔ اس عمل کے دوران دو جنگیں بھی لڑی گئی ہیں جن سے کوئی قومی مقصد حاصل نہیں کیا جا سکا بلکہ تنازعات کے حل کے بجائے ایسے معاہدے کر لیے گئے ہیں جو قومی مقاصد کے برعکس ہیں۔ اس طرح نہ تو اقتصادی خود کفالت وجود میں آئی ہے اور نہ ملکی تحفظ کی ضمانت ملی ہے۔

آزادی کی ابتدائی ہل چل میں جب ہماری قیادت نے ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عرصے تک کے نوآبادیاتی تسلط کی محرومیوں کے بعد خارجہ تعلقات کی اقلیم میں قدم رکھا تو ہم سے بہت سی حماقتیں سرزد ہوئیں۔ سب سے پہلے تو برطانیہ اور دولت مشترکہ کو بنیادی اور اساسی اہمیت کا حامل گردانا گیا اور یہ اندازہ نہ کیا گیا کہ برطانیہ کے اقتدار کو گہن لگ چکا ہے اور دولت مشترکہ دراصل برطانیہ کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کی آڑ ہے۔ جب ہماری قیادت پر یہ حقیقت کھلی کہ طاقت کی بساط بدل چکی ہے تو ہم نے یکدم رُخ موڑا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی جانب ہو لیے اور جھٹ پٹ اس کے دامن سے بندھ گئے۔ اس ساحل پر لنگر انداز ہو کر ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ ہمیں یقین تھا کہ اس عظیم طاقت کے دستِ قدرت کے محض ایک لمس سے ہمارے سب مسائل دیکھتے ہی دیکھتے حل ہو جائیں گے۔

www.bhutto.org

ایک وقت ایسا آیا کہ خارجہ تعلقات کی تمام پیچیدگیوں کو نظر انداز کر کے ایک سال خورد سیاست دان نے بے موقع محل اسلامستان کی تان اڑائی اور یوں عرب اقوام، انڈونیشیا، ترکی اور ایران کے ذہنوں میں غیر ضروری غلط فہمیاں پیدا کر دیں۔ ایک طرف تو اسلامستان کی تبلیغ کی جا رہی تھی اور دوسری طرف پاکستان کا وزیر اعظم مسلم اتحاد کو نظر تحقیر سے دیکھ رہا تھا جو اُس کے خیال میں صفر کو صفر میں جمع کرنے سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا۔ ستم بالائے ستم پاکستان ایسے فوجی معاہدوں شامل ہو گیا جو عرب ریاستوں اور دوسرے اہم غیر جانبدار ممالک کی نظر میں کھٹکتے تھے۔ ان معاہدوں میں شامل ہو کر پاکستان کو اپنے خود مختارانہ حقوق کا کچھ حصہ اپنے ہاتھ سے دینا پڑا اور اس نے مسلمان اقوام کو خصوصاً اور تیسری دُنیا کو عموماً اپنے سے دُور کر لیا۔ اس سے سوویت یونین اور عوامی جمہوریہ چین جیسے دو طاقتور ملک، جو ہماری شمالی سرحدوں پر بیٹھے تھے بپھر گئے۔

جس حکومت کی خارجہ پالیسی نے ۱۹۵۹ء میں بھارت کے ساتھ مشترکہ دفاع کو قابل قبول سمجھا تھا اس نے ۱۹۶۵ء میں اس ملک کے ساتھ اپنے آپ کو برسرِ جنگ پایا۔ ایک وقت تھا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی نے امریکہ کو اپنے علاقے پر اختیارات دیتے ہوئے کوئی باک محسوس نہ کیا تھا اور دوسری بڑی طاقتوں کے سلسلے میں اشتعال انگیز رویہ اختیار کر رکھا تھا لیکن بعد میں اسے اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کی ایسی زبردست دریافت ہوئی کہ اس نے بڑی بڑی ہمسایہ طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا مطالبہ شروع کر دیا ایران کے ساتھ بھائی چارے کا بہت تذکرہ ہا ہے لیکن اس کے باوجود خلیج فارس کے نام کو قبول کرنے کے سلسلے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کیا گیا ہے جس سے یہ صدیوں سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ افغانستان کے ساتھ تعلقات منقطع ہو گئے تھے لیکن بعد ازاں افغانستان کو جگری بھائی کہہ کر پکارا گیا۔ ایسی پالیسی اختیار کر کے جس میں چونکا دینے والے تضادات کی بھرمار ہے پاکستان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں وہ بے یار و مددگار کھڑا ہے۔

امریکہ کے ساتھ عظیم اتحاد" کے دوران پاکستان کا موقف کچھ اور تھا اور امریکہ کا موقف کچھ اور۔ امریکہ بھارت کو نہیں، کمیونسٹ ملکوں کو گھیرے میں لینا چاہتا تھا۔

www.bhutto.org

اس کے برعکس پاکستان کا خیال تھا کہ یہ اتحاد بھارت کے خلاف ایک زبردست ڈھال ثابت ہوگا لیکن یہ خیال ایک واہمہ تھا، جیسے ۱۹۶۵ء کی جنگ نے بُری طرح بے نقاب کر دیا۔

جب ملٹری سائنس کی وہ حیرت افروز پیش قدمیاں جاری تھیں جنھوں نے سپوٹنک کو خلا کی تسخیر پر روانہ کر دیا، ایٹمی خطرے میں توازن کی راہ اُبھاری اور اسی نوعیت کے دیگر انقلاب آفریں حالات کو جنم دیا جن کے باعث ہر قوم نے اپنی بنیادی پالیسیوں پر نظرِ ثانی کی تو پاکستان خوابِ خرگوش میں مدہوش رہا۔ دوسری قوموں نے تو بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ مطابقت کرنے کی تدبیر کی، لیکن پاکستان امریکہ کے کندھے سے لگا سوتا رہا۔ جان فاسٹر ڈلس کا عہد اُس کی موت سے پہلے ہی اپنی موت مرنے لگا تھا لیکن پاکستان حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے بجائے امریکہ کے لیے آغوشِ محبت وا کیے بیٹھا رہا اور جفا کار محبوب کے فراق میں آہیں بھرتا رہا۔ پاکستان نے جس اوکھلی میں سر دیا تھا، آج تک اس سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

بیرونی مطالبات کو لگام دینے کا شاید ہی کوئی سامان کیا گیا ہو۔ اُس اقتصادی یا دیگر نوعیت کی امداد کا کیا فائدہ جس کی خاطر پاکستان کی خود مختاری کو داؤ پر لگانا پڑے۔ جو لوگ امریکہ کے اس دباؤ کے آگے دیوار بنے کھڑے تھے کہ پاکستان بھارت کا تابع فرمان بن جائے اور جموں اور کشمیر کے بارے میں اپنا جائز موقف ترک کر دے ان پر یہ الزام دھرا گیا کہ امریکہ کے ساتھ پاکستان کے تعلقات میں پیچیدگیاں پیدا کر رہے ہیں۔ وقت ثابت کر دے گا کہ اطاعت گزاری کی یہ پالیسی قوم کو ایک ایسے مقام پر پہنچا سکتی ہے جہاں سے واپسی ناممکن ہو جائے گی۔ تمام بڑی طاقتوں کے ساتھ متوازن تعلقات استوار کرنے کی راہ یہ نہیں کہ کسی ایک طاقت کا دُم چھلا بن جائیں، اس کی راہ یہ ہے کہ کسی کا بھی دُم چھلا نہ بنا جائے۔

حکومت یہ یقین دلاتی رہتی ہے کہ وہ کسی ایک بڑی طاقت کی حمایت میں ایسا کوئی اقدام نہیں کرے گی جس سے دوسری بڑی طاقتوں کے مفادات پر زد پڑے۔ لیکن پھر بھی وہ سیٹو اور سنٹو میں شامل چلی آتی ہے۔ ایک بڑی طاقت کو اپنے علاقے

www.bhutto.org

پر ایسی مراعات دے کر حکومت کھلے دوغلے پن کا شکار ہو رہی ہے جنھیں دوسری طاقتیں اپنے خلاف دشمنی تصور کرتی ہیں۔ اس کے باوجود کہ امریکہ نے ہماری فوجی امداد بند کر دی ہے۔ ہماری حکومت ان مراعات سے دستکش نہیں ہوئی۔ اس طرح پاکستان ایک بیکار کی ذمہ داری کے بوجھ تلے پس رہا ہے جس کے باعث عالمی جنگ کی صورت میں ملک کی اینٹ سے اینٹ بج سکتی ہے۔ یہ بہت مہیب خطرات ہیں۔

پاکستان امریکہ کا کھلم کھلا حواری چلا آتا ہے، لیکن پھر بھی حکومت تینوں بڑی طاقتوں کے ساتھ ایک عجیب قسم کی غیر جانب داری کا دعویٰ کرتی رہتی ہے۔ ہم دوجہتی تعلقات کا اعلان بھی کرتے رہتے ہیں اور ایک انتہائی قسم کی ہمہ جہتی کا روپ بھی دھارے رکھتے ہیں۔ چین بھارت تنازع نے ٹمک کے جغرافیائی محل وقوع کے بارے میں ہمارے حکمرانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ آخر کار انھوں نے یہ صداقت دریافت کر لی ہے کہ خارجہ پالیسی کے لیے لازمی ہے کہ جغرافیائی حقائق کو پیش نظر رکھے اور پاکستان کو حتی الامکان اپنے زیادہ سے زیادہ ہمسایہ ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے چاہئیں۔ خاص طور پر جبکہ ایک ہمسایہ ملک کے ساتھ اس کا ایک گہرا تنازع چل رہا ہے۔ لیکن دس پندرہ سال تک پاکستان کے تعلقات بھارت کے علاوہ عوامی جمہوریہ چین، سوویٹ روس اور افغانستان کے ساتھ بھی کشیدہ رہے ہیں۔ چند روز پہلے تک برما کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات استوار نہ تھے اور نہ ہی نیپال سے ہمارا کوئی رابطہ تھا۔ وہ ملک جسے یکایک جغرافیائی تقاضوں کا ہوش آیا کل تک اپنے تمام علاقائی ہمسایوں کے ساتھ جن میں دو عظیم طاقتیں بھی شامل ہیں کسی طرح کے رابطے سے محروم تھا یا اگر روابط موجود تھے تو ان میں جان نہ تھی۔

عوامی جمہوریہ چین اور سوویٹ روس کے ساتھ پاکستان کا کوئی تنازع نہ تھا، اس کے باوجود ہم عوامی جمہوریہ چین اور سوویٹ روس کو برانگیختہ کرنے میں نیٹو کے امریکی حواریوں سے جن میں برطانیہ اور جرمنی بھی شامل ہیں، بازی لے گئے۔ بھارت جو نہرو کے دور میں واقعی غیر جانب دار تھا اسے جانب دار پاکستان کے مقابلے میں اگر زیادہ نہیں

www.bhutto.org

تو اتنی ہی اقتصادی امداد اور خوراک کی رسد ملتی رہی۔

امریکہ کے ساتھ مکمل وابستگی کی پاکستانی پالیسی بڑی حد تک اس بات کی ذمہ دار ہے کہ سوویٹ روس نے بھارت کو ہم پر مسلسل ترجیح دی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ حق خود ارادیت کا اصول اور بھارت کے وعدے نظر انداز ہوتے تھے سوویٹ رُوس جموّں وکشمیر کے بارے میں بھارت کے ناقابلِ قبول موقف کی حمایت کرتا رہا۔ چین بھارت تنازع کے بعد، جب پاکستان اور چین کے روابط میں اضافہ ہوا، تو اس وقت کہیں جاکر پاکستان کے بارے میں روس کے رویے میں بہتری کی چھوٹی موٹی نشانیاں نظر آنے لگیں۔

اب، جب سے پاک چین تعلقات میں جمود آیا ہے۔ سوویٹ رُوس کو پرانی روایتی پالیسی کی جانب لوٹنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا اور اس نے چین کی جانب سے کسی ردِعمل کے خوف کے بغیر بھارت کی فوجی امداد بحال کر دی ہے۔ مقبوضہ پرلیس میں بھارت کے جنگی ساز و سامان میں اضافہ کرنے کے روسی فیصلے پر بہت شور و غوغا مچا رہا ہے۔ وزارتِ خارجہ کے ہمہ دان ترجمان نے بھی تاسّف اور تعجّب کا اظہار کیا ہے۔ اُس کے اور ان سب کے بقول، جو اس نوحہ گری میں شامل تھے، رُوسی امداد نے برصغیر میں طاقت کے توازن کو مزید بگاڑ دیا ہے اور رُوحِ تاشقند کو مجروح کر دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارت کی فوجی طاقت میں اضافے سے پاکستان کا تحفظ اور بھی خطرے میں پڑتا جا رہا ہے۔ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ پریشانی بلکہ مایوسی کا مقام تو ہے، تعجّب کی بات ہرگز نہیں۔ وزارتِ خارجہ کو اس لیے تعجّب ہوا ہے کہ اب اُس نے حالات کا صحیح صحیح اندازہ کرنا ترک کر دیا ہے۔ اعلانِ تاشقند کے دو فریق تھے، غیر جانبدار بھارت اور جانبدار پاکستان جس کی فوجی امداد امریکہ نے منقطع کر دی ہے اور جس کی سیاسی تائید سے چین نے ایک حد تک ہاتھ کھینچ لیا ہے۔

بھارت کے ساتھ سوویٹ رُوس کا ترجیحی سلوک بدستور جاری ہے۔ اس ملک کے ساتھ اس کے تعلقات کے فروغ کی ہر وجہ موجود ہے۔ امریکہ پر زبردست انحصار

www.bhutto.org

کے باوجود بھارت نے آج تک اسے اپنے علاقے پر حقوق دینے کی رضامندی ظاہر نہیں کی۔ اس کے برعکس، اپنے قیام کے وقت سے لے کر دس سال تک۔ پاکستان نے رُوس کے ساتھ اپنے تعلقات کے بھونڈے ریکارڈ کو بہتر بنانے کے لیے کوئی اقدام نہ کیا تھا۔ میں نے ۱۹۶۱ء میں رُوس کے ساتھ تیل کا جو معاہدہ کیا تھا اس کے سوا ایک بھی ایسا قابلِ ذکر آزادانہ اور بروقت قدم نہ اُٹھایا گیا جو ہنگامی تقاضوں کے بجائے مستقل بنیادوں پر ہمارے شمالی ہمسایوں کے ساتھ بہتر افہام و تفہیم کی راہیں کھولتا۔ اگرچہ پچھلے چار سالوں میں بہت سے اہم واقعات رونما ہوتے ہیں لیکن پاکستان سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ اپنے مخلصانہ عزائم کے ادنیٰ سے اظہار کے طور پر کمیشن برائے کوریا کی رکنیت ہی ترک کر دی ہوتی۔

سوویٹ روس نے پاکستان کی جانب دوستی کا جو بُرا بھلا ہاتھ بڑھایا وہ پاکستان کے ان نیم دِلانا اور بعد از وقت اقدامات کے جواب میں نہیں تھا جو حالات سے مجبور ہو کر اس نے کیے تھے بلکہ وہ زیادہ تر پاکستان کے ساتھ چین کے بڑھتے ہوئے تعلقات کا نتیجہ تھا۔ یاد رکھنے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ رُوس نے پاکستان سے قریب آنے کے ضمن میں جو اقدامات کیے، اور ان میں تاشقند سب سے اہم ہے، وہ بھارت کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے نہیں تھے بلکہ پاکستان میں چین کے اثر کو توڑنے کے لیے تھے۔

سوویٹ رُوس نے بھارت کی فوجی امداد بحال کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے اس سے واضح ہو گیا ہے کہ آج پاکستان کس خطرناک حد تک بے یار و مددگار ہو چکا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ صدر نے پچھلے دنوں اس ملک کا جو دورہ کیا تھا، اور جس پر مقبوضہ پریس نے خوب خوب داد کے ڈونگرے برسائے تھے، دراصل ناکام ثابت ہوا تھا۔ اس دورے میں ہماری پوزیشن کمزور تھی۔ سوویٹ یونین کی بالائی قیادت کی جانب سے کسی جوابی "تشریف آوری" کے بغیر پاکستان کا سربراہِ مملکت دو سال کے اندر اندر تین مرتبہ سوویٹ روس گیا۔ صدرِ پاکستان فوجی امداد لینے کے لیے خود ماسکو گئے اور اس کے جواب میں سوویٹ روس کا وزیرِ اعظم بھارت کو فوجی امداد کی نوید سنانے جنوری ۱۹۶۸ء میں بنفسِ نفیس نئی دلّی پہنچا۔ یہ اس لیے ہوا کہ صدرِ پاکستان نے سوویٹ رُوس کا رُخ اُس وقت کیا جب امریکہ پاکستان کی فوجی امداد بند کر چکا

www.bhutto.org

تھا۔ وہ اُس وقت رُوس پہنچے جب چین کے ساتھ تعلقات میں کوئی سکت نہ رہی تھی۔ ان حالات میں کسی فائدے کی توقع نہ کی جا سکتی تھی۔ وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ کوئی فائدہ حاصل بھی نہیں ہُوا۔

یہ ناممکن ہے کہ انسان ایک ہی وقت میں اظہارِ پسندیدگی بھی کرے اور لعنت ملامت بھی کرے۔ بھارت کو ملنے والی رُوسی امداد کے خلاف احتجاج کی بھنبھناہٹ ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ روس کے وزیر برائے بیرونی تجارت کا پاکستان میں نہایت گرمجوشی سے غیر مقدم کیا گیا۔ پاکستان کے مفاد کے اعتبار سے دیکھا جائے تو روس کے وزیر برائے بیرونی تجارت کی آمد سراسر بے موقع تھی اور اُس کی کوئی تُک نہ تھی۔ بھاری سامانِ جنگ کے مقابلے میں عام تجارتی سامان کے حصول پر رضامندی آنے والے دنوں کی کوئی اچھی تصویر پیش نہیں کرتی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ پاکستان کو زک پہنچانا کتنا آسان ہے اور اسے منا لینا کتنی معمولی بات۔ اس دورے نے پاکستان کے احتجاجات کے کھوکھلے پن کا پول کھول دیا۔ ذرا سی بھی وقت کے بغیر سوویٹ رُوس ایک معمولی سے دورے کے ذریعے بھارت کو دی جانے والی بھاری فوجی امداد کا نقش ہمارے ذہن سے مٹانے اور پاکستان کو انتہائی معمولی تجارتی سامان دے کر مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان حالات میں صرف ایک قابلِ قبول راہِ عمل تھی کہ رُوسی حکومت سے کہا جاتا کہ وہ اپنے وزیر کی آمد کو اُس وقت تک کے لیے ملتوی کر دے جب تک فضا کچھ سازگار نہیں ہو جاتی۔ یہ ایک غیر تمنذانہ موقف ہوتا اور سوویٹ روس کو اس سے کچھ سبق حاصل ہوتا۔ اس سے ہمارے احتجاجات کو وقعت نصیب ہو جاتی۔ جہاں بیس سال سے سٹیل مل نہیں لگی وہاں چند مہینے اور نہ لگتی تو کوئی آسمان نہ ڈھے جاتا۔

پاکستانی حکومت کے عزم کی کمزوری کا اندازہ لگا کر اور یہ تسلی کر کے کہ پاکستان بھارت کو ملنے والی فوجی امداد کی بحالی کا صدمہ سہہ گیا ہے۔ روسی وزیرِ اعظم نے یکایک اپریل کے وسط میں وہ دعوت قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا جسے پچھلے دو سال میں بار بار دہرایا گیا تھا۔ صدر کی بیماری کے باوجود، جس کے باعث وہ دو ماہ سے زیادہ عرصے تک صاحبِ فراش رہے تھے،

www.bhutto.org

صدر اور روسی وزیر اعظم کے درمیان عالمی صورتِ حال خصوصاً پاک روس تعلقات اور پاک بھارت امور پر راولپنڈی میں طویل مذاکرات ہوئے۔ اسلام آباد میں، جو مصیبت زدہ کشمیر کی سرحد سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک ٹیلی وژن انٹرویو کے دوران مسٹر کوسیگن نے فرمایا کہ دُنیا میں صرف تین ایسے بین الاقوامی مسائل ہیں جو توجہ کے مستحق ہیں: جرمنی، مشرقِ وسطیٰ اور ویت نام۔ فوجی میدان کو چھوڑ کر باقی شعبوں میں اشتراکِ عمل کے روشن امکانات کا ذکر کیا گیا اور اقتصادی اور ثقافتی تعاون کو وسعت دینے کے معاہدے پر گہرے اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ فوجی تعاون کے سلسلے میں چُپ ہو رہنا بہت سنجیدہ معاملہ تھا لیکن پھر بھی یہ چُپ اس قدر گھناؤنی نہ تھی جس قدر اس دورے کا وہ سیاسی نتیجہ جس نے روس کے اس عزم کو بے نقاب کر دیا کہ اب اس نے پاک بھارت تعلقات کے بارے میں اپنے جانے پہچانے موقف کو لباسِ عمل پہنانے کی ٹھان لی ہے۔ ٹیلی وژن انٹرویو کا یہی مفہوم تھا اور مسٹر کوسیگن کے تمام دوسرے اہم بیانات کا یہی پیغام تھا۔ پاکستان نے اس مفہوم اور پیغام کو سمجھنے میں ایسا کمال دکھایا کہ رُوسی وزیر اعظم نے کسی پیشگی پروگرام کے بغیر نئی دلی کا عزم سفر کر لیا تاکہ بھارت کو کھُلے بندوں تسلی دیں کہ اب پاکستان اُس کے ساتھ باہمی تنازعات کو، یکے بعد دیگرے، حل کرنے کا ایک نیا باب کھولنے کو تیار ہے۔ اپنے خلوص کے ثبوت کے طور پر روسی وزیر اعظم کی پاکستان سے روانگی کے دو چار دن بعد ہی، قلمدانِ وزارت ایک نئے وزیر خارجہ کو سونپ دیا گیا تاکہ صلح صفائی کی پالیسی کو عملی جامہ پہنائے۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ سول سروس کے کسی رکن کو اس اعلیٰ سیاسی عہدے کے لیے منتخب کیا گیا ہو تاکہ سرکاری پالیسی کو غلط سیاسی نتائج کے خوف سے بے نیاز ہو کر عمل میں لایا جائے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک موڑ پر آ پہنچے ہیں۔ کچھ کچھ وہ فضا پیدا ہو رہی ہے جب مارشل لاء کے شروع شروع کے دنوں میں۔ اپریل ۱۹۵۹ء کے دوران صدر ایوب خاں نے برسرِ اقتدار آنے کے چھ ماہ کے اندر اندر، بھارت کو مشترکہ دفاع کی پیشکش کی تھی۔ اس وقت مسٹر منظور قادر صدر ایوب خاں کے وزیر خارجہ تھے جو نئے وزیر خارجہ کے برادرِ نسبتی ہیں اور جن کا بھارت کی جانب جھکاؤ جانا پہچانا تھا۔ اگر مسٹر نہرو نے مشترکہ دفاع کی سکیم کو، جس کا داعی امریکہ تھا،

www.bhutto.org

رد نہ کر دیا ہوتا تو برصغیر کی تقسیم پر پانی پھر گیا ہوتا۔ مگر گزشتہ سالوں کے دوران ایسے بہت سے واقعات رونما ہو چکے ہیں جن کے باعث عین ممکن ہے کہ نئے وزیر خارجہ وہ منزل سر کر لیں جو مسٹر منظور قادر سے سر نہ ہو سکی تھی۔ اس روح مصالحت کی بحالی میں اب چین بھارت اختلافات تازیانہ ثابت ہوں گے اور اسے اس مشترکہ موقف سے تائید ملے گی جو برصغیر میں امریکہ اور روس کے مفادات کا سنگم ہے۔

پچھلے دو سال میں حکومت نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کا مجموعی نتیجہ یہ مرتب ہوا ہے کہ عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ پاکستان کے تعلقات میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ ہمارے باہمی تعلقات کے جوش و خروش میں جو تبدیلی رونما ہوئی ہے وہ آزاد مبصروں کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ بظاہر چین کے ساتھ ہمارے تعلقات ختم نہیں ہوئے۔ دیکھنے میں یہ تعلقات خاصے پُرتپاک ہیں۔ ڈپلومیسی کے یہی آداب ہیں۔ خارجہ پالیسی میں تبدیلی عموماً دبے پاؤں آیا کرتی ہے۔ گلاب کی کلی کی مانند یہ دھیرے دھیرے گل سرسبد بنتی ہے۔ اگر تبدیلی کی کوئی نہاں رو موجود نہ ہوتی تو لنڈن سے ملائشیائی وزیر اعظم کی اس تجویز کی خبر نہ اڑی ہوتی کہ ایک نیا خلاف چین دفاعی معاہدہ ہونا چاہیے جس میں سنگاپور، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، فلپائن، برما، لنکا، بھارت اور پاکستان شامل ہوں۔ یہ خبر گیارہ فروری ۱۹۶۸ء کے روزنامہ ڈان میں شائع ہوئی تھی۔ یہ جھوٹی ہے یا سچی۔ بہرحال اس انداز کی تجویز ملائشیا کے وزیر اعظم کے ذہن میں اُن دنوں ہرگز نہ آ پاتی جب پاکستان اور چین میں گاڑھی چھنتی تھی اور ستمبر ۱۹۶۵ء میں چین نے بھارت کو الٹی میٹم دیا تھا۔ ٹنکو کے ذہن میں اس طرح کی تجویزیں اب اسی لیے آ رہی ہیں کہ دوسروں کی طرح اس نے بھی فرق کو بھانپ لیا ہے۔ گویا تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ خواہ زبانی طور پر کتنی ہی شد و مد سے تردید ہوتی رہے' حالات وہ نہیں جو ہوا کرتے تھے۔ اور یہ بات ہمارے لیے اچھی نہیں۔

یہ بات اس لیے بُری ہے کہ بھارت کو روسی امداد ملے یا نہ ملے، برصغیر میں مقدار کے اعتبار سے فوجی عدم توازن ہمیشہ موجود رہے گا۔ یہ عدم توازن کم و بیش تو ہو سکتا ہے لیکن دونوں ملکوں کے وسائل میں گہرے فرق کے باعث قائم و دائم رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ

www.bhutto.org

پاکستان نے امریکہ کے ساتھ دفاعی معاہدے کیے تھے۔ پاکستان اس بھروسے پر ان میں پھنس گیا تھا کہ بھارت کے خلاف کسی حد تک دفاع کرنے کے لیے اُسے امریکی جنگی سامان مل جائے گا۔ عدم توازن کو کم کرنے کے لیے ایک چور دروازہ ڈھونڈ لیا گیا تھا تاکہ کچھ ہتھیار مل جائیں۔ لیکن امریکہ اب پاکستان کو بھارت کے خلاف مدافعت کے لیے ہتھیار نہیں دے گا۔ نہ سوویٹ یونین ہی پاکستان کو بھارت کے خلاف دفاع کے لیے ہتھیار مہیا کرے گا۔

پاکستان نے بھارت کے سلسلے میں اپنے رویّے میں، خصوصاً کشمیر کے متعلق، تبدیلی کی جو یقین دہانی کی ہے اس پر خوشنودی کے اظہار کے طور پر ممکن ہے کہ سوویٹ روس آئندہ پاکستان کو کچھ فوجی امداد بھی دے دے جو بھارت کو ملنے والی امداد کی گرد کو بھی نہ پہنچے گی۔ پاکستان کو یہ امداد بھارت کے خلاف اپنا تحفظ کرنے کے لیے نہیں، بلکہ سیاسی وجوہ کی بنا پر دی جائے گی۔ ممکن ہے کہ بعض شرائط عائد کر کے امریکہ بھی فوجی امداد بحال کر دے۔ برصغیر کی بدلی ہوئی صورتِ حال کے پیشِ نظر برصغیر میں اپنے مقاصد کو کوئی گزند پہنچائے بغیر، امریکہ پاکستان کو فوجی امداد مہیا کر سکتا ہے۔

لیکن نہ تو روس اور نہ ہی امریکہ اس بات کی اجازت دے گا کہ فوجی عدم توازن میں کوئی کمی آجائے۔ عوامی جمہوریۂ چین وہ واحد ملک ہے جسے پاکستان کی اصل ضروریات سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برصغیر میں اس ملک کے مفادات پاکستان کے مفادات سے ہم آہنگ ہیں۔ یہ خالصتاً مشترکہ مفادات کا مسئلہ ہے۔ اگر ہم اپنے اردگرد دیکھیں تو وہ واحد عظیم طاقت جس کے مقصدی مفادات پاکستان سے موافقت رکھتے ہیں، اور وہ واحد ملک جو پاکستان کی مدد کرنے کے قابل ہے، عوامی جمہوریۂ چین ہے۔ صرف یہ ملک اس قابل ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان فوجی عدم توازن کو کم کر سکے۔ خواہ وہ پاکستان کو ہتھیار دے کر ایسا کرے، سیاسی ذرائع سے کرے، یا دونوں طرح سے۔ وہ بھارت اور پاکستان کا بالکل قریبی ہمسایہ ہے اور بھارت کے ساتھ اس کا سرحدی تنازع ہے جسے پاکستان نظر انداز نہیں کر سکتا۔ پاکستان کو بھارت سے نبٹنے کے لیے کسی نہ کسی تائید کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ حکومت کو یہ

www.bhutto.org

بات پسند ہو یا ناپسند، واقعہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں چین ہی ایسی تائید ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر یہ تائید باقی نہ رہے تو پاکستان تینوں بڑی طاقتوں کے ساتھ ساتھ بھارت کے رحم و کرم پر ہوگا۔ اس المیئے کو حال ہی کی بہت سی اہم تبدیلیاں مزید گہرا کر دیں گی، جو اس بات کی غماز ہیں کہ چین اپنی خلوت گزینی کو توڑنے ہی والا ہے۔ ویت نام کی جنگ میں پانسہ پلٹنے کے ساتھ ساتھ امریکہ میں چین کے متعلق رویّہ بدلتا جا رہا ہے۔ نائب صدر ہمفری نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز ہی اس خواہش سے کیا ہے کہ وہ امریکہ اور چین کے درمیان امن کے پُل تعمیر کریں گے۔ گورنر راک فیلر نے بھی صدارتی انتخاب کی مہم میں کودتے ہوئے ان سے ملتے جلتے احساسات کا اظہار کیا تھا۔

موجودہ حکومت کے لیے نہایت مناسب ہوگا کہ فوری نوعیت کی اغراض کے علی الرغم، عوامی جمہوریۂ چین کے ساتھ وہ تعلقات بحال کرنے کے لیے باقاعدہ اقدامات کرے جو ۱۹۶۲ء کے چین بھارت تنازع کے بعد پیدا ہوئے تھے اور ۱۹۶۵ء کے پاک بھارت معرکے کے دوران عروج پر پہنچے تھے۔ چین ایک ایسی عظیم طاقت ہے جس کی قوت میں دن دونا اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ ایک ایشیائی ملک ہے اور پاکستان کا قریبی ہمسایہ۔ اگلے سال تک جب سنکیانگ تک گلگت روڈ مکمل ہو جائے گی تو پاکستان ایک مرتبہ پھر وسط ایشیا کے تاریخی عقب سے ہم رشتہ ہو جائے گا اور اس کی صف آرائی کی صلاحیت میں معتدبہ اضافہ ہو جائے گا۔ بھارت کو اس سڑک سے جو خدشات درپیش ہیں ان کا اظہار اس کی جانب سے موصول ہونے والے پُرزور احتجاجی مراسلوں اور اُس بیان سے ہو سکتا ہے جو اُس کے وزیرِ مملکت و امورِ خارجہ نے بھارتی پارلیمان میں دیا تھا۔ اپنی پریشانی کی نشانی کے طور پر بھارت نے اپنے تحفظ کو لاحق اس تازہ خطرے کی جانب سوویٹ روس کی توجہ بھی مبذول کرائی ہے۔ لازم ہے کہ ایشیا میں چین کا اثر بڑھتا چلا جائے۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جس کے مقصدی مفادات پاکستان سے ہم آہنگ ہیں اور جو پاکستان کو ہر شعبۂ حیات میں روز افزوں امداد دیتا رہے گا، جبکہ امریکی امداد روز بروز گھٹتی چلی جائے گی۔

www.bhutto.org

وہ دن دُور نہیں جب عوامی جمہوریہ چین اور امریکہ کو ایشیا کے معاملے میں ایک باعزت سمجھوتہ کر لینے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس کی مثال سوویٹ روس اور امریکہ کے درمیان کارفرما بقائے باہمی کا بندوبست ہے۔ پاکستان کو اس دن کا انتظار کرنا چاہیے اور ایسی غلطیوں کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا دیں ستم ظریفی یہ ہے کہ حکومت پاکستان کا عزم چین اُس وقت جواب دے گیا جب بُرے دن ختم ہونے کو تھے۔ اگر وہ جی کڑا کیے رکھتی تو رُوس تو رُوس امریکہ کے ساتھ معاملت میں بھی وہ اپنے آپ کو تسلی بخش پوزیشن میں پاتی۔

پاک بھارت امور میں "مزاحمت" کی پالیسی کی جگہ "تابعداری" نے لے لی ہے، جس کو "تعاون" کے خوشنما خول میں پیش کیا جا رہا ہے۔ بھارت کے ساتھ تعلقات کے مسئلے پر موجودہ حکومت اور پاکستان کے عوام کا موقف ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے اور دونوں کا اندازِ فکر بے حد جداگانہ ہے۔ ہر روز بتا سورج حکومت کی کسی نہ کسی نئی ناکامی سے پردہ اُٹھا جاتا ہے۔ جموں اور کشمیر ہو یا آسام سے مسلمانوں کا خروج، بھارت کی خدمت میں پیش ہونے والی تمام عرضداشتیں ناکام و نامراد ثابت ہوتی ہیں بھارت کے حضور میں یہ حکومت جو بھی سجدۂ نیاز کرتی ہے بھارت کی طرف سے اس کا جواب پہلے سے بھی بڑی ٹھوکر کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ جب سے پالیسی بدلی ہے پاک بھارت تنازعات اور بھی پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ جموں اور کشمیر میں اور آسام میں حالات پہلے سے بھی خراب ہو گئے ہیں۔ بھارتی مسلمان فرقہ وارانہ فسادات کی چڑھتی اُبھرتی موجوں کی لپیٹ میں آئے ہوتے ہیں۔ بھارتی وزیرِ اعظم کی جانب سے پاکستان کو بُرے نتائج کی دھمکیاں دی جاتی ہیں جس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مستقبل میں کسی وقت بھارت کے بکھرتے ہوئے شیرازے کو سمیٹنے کی خاطر پاکستان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ رن کچھ کے تنازع کا حاصل پاکستان کی مسلح افواج کی جیت اور ٹکراؤ کی پالیسی کی صداقت کا ثبوت تھا۔ اگر مسلح افواج نے رن کچھ اور کشمیر میں بھارت سے ٹکر نہ لی ہوتی تو پاکستان کو سیاسی اعتبار سے اور طاقت کے

www.bhutto.org

مظاہرے کے ہاتھوں منہ کی کھانی پڑتی

البتہ حال ہی ہیں۔ اپنے بیرونی دوستوں کے مشورے پر بھارت نے پاکستان کے ساتھ کچھ متانت برتنی شروع کر دی ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جلد ہی کسی عمومی سمجھوتے کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش ہونے والی ہے؟ پاک بھارت تعلقات میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وقتاً فوقتاً اس کوشش کا پہلے بھی آغاز اور انجام ہوتا رہا ہے۔ لیاقت علی خاں سے لے کر پاکستان کے ہر وزیراعظم کو اس صورت حال سے گزرنا پڑا ہے۔ دوستی اور دشمنی کی رُوح نے صدر ایوب خاں کے عہدِ حکومت میں جہاں اپنی معراج کو جا چھوا وہاں وہ اپنی گراوٹ کی انتہا کو بھی جا پہنچی۔ اب اُن کے عہد میں اس سلسلے کا دوسری مرتبہ اعادہ ہو رہا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ اس راہِ عمل میں بھارت کو مہلت مل رہی ہے اور پاکستان کمزور ہو رہا ہے۔ پاکستان ایک مرتبہ پھر واہمے کی جانب لپک رہا ہے جس کے باعث اُسے نقصان تو بہت پہنچے گا لیکن فائدہ ذرا بھی نہ ہوگا۔ اس طرح کی ہر مشق کی ناکامی پر ہم نے دیکھا ہے کہ صحیح صورت حال کے مطابق عوام کی از سرِ نو صف بندی کرنا بیش از بیش مشکل ہو جاتا ہے۔

حکومت کا یہ عزم اب آئینے کی طرح صاف ہوتا جا رہا ہے کہ وہ برصغیر میں ہر قیمت پر، یہاں تک کہ بھارت کی شرائط پر، امن چاہتی ہے۔ یہ خوف روز بہ روز ٹھوس شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس کی اصلیت کے بہت سے مظہر ہیں۔ تنازع کشمیر کو، جو پاک بھارت تعلقات کا مرکزی مسئلہ رہا ہے، بڑی کاریگری سے پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور اب اس کی نوعیت محض رسمی ہو کر رہ گئی ہے۔ ماضی میں دستور تھا کہ بھارت نے جونہی اقوام متحدہ کی بنیادی قراردادوں کی خلاف ورزی میں کوئی اہم قدم اُٹھایا ہم اس معاملے کو سلامتی کونسل میں لے گئے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۵ء تک پاکستان کی ہر حکومت اس پالیسی پر سختی سے کاربند رہی۔ جب سے معاہدۂ تاشقند ہوا ہے بھارت نے جموں اور کشمیر پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے کتنے ہی اقدامات کیے ہیں جو اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی کھلی خلاف ورزی ہیں۔ ریاستی قرسوں کو بھارتی قرسوں کا جز اور مہاراجہ کو بھارت کی مرکزی کابینہ کا وزیر بنا دیا گیا ہے۔ بھارت کے اِن، اور اِن جیسے دوسرے اقدامات کا تقاضا تھا کہ ہم سلامتی کونسل میں آواز اٹھاتے، لیکن حکومتِ پاکستان نے نہایت

www.bhutto.org

احتیاط کے ساتھ اس سے گریز کیا ہے۔ جموں اور کشمیر پر سلامتی کونسل نے ستمبر ۱۹۶۵ء میں جو مشہور قرارداد منظور کی تھی اس کے تحت اقوام متحدہ پر لازم ٹھہرایا گیا تھا کہ فوجوں کی واپسی پر اس تنازع کا حل تلاش کیا جائے۔ اقوام متحدہ میں امریکی سفیر گولڈبرگ نے اس قرارداد کے تحت عاید ہونے والی ذمہ داری کے متعلق کہا تھا کہ "یہ کتاب مقدس کی طرح اٹل" ہے۔ مسلح افواج کی واپسی کو دو سال ہو چکے ہیں۔ اعلان تاشقند کے بعد ہونے والی کوششیں فضول ثابت ہو چکی ہیں اور پاک بھارت تنازعات کے حل کی راہ بند ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود حکومت سلامتی کونسل کا رُخ کرنے سے گریزاں ہے کہ مبادا بھارت کے ساتھ اُس کے تعلقات میں کوئی روڑا اٹک جائے اور دونوں بڑی طاقتوں کو یہ بات ناگوار گزرے، کیونکہ وہ تو اس بنیادی تنازع کو کسی عمومی سمجھوتے کے نیچے دبا دینے پر اُدھار کھائے بیٹھی ہیں۔

یکم جون ۱۹۶۸ء کو ایک بھارتی رپورٹ میں ذکر کیا گیا تھا کہ نہر سویز کی بندش کے باعث یہ ضرورت پیدا ہو گئی ہے کہ بھارت اور سوویٹ رُوس کے درمیان، پاکستان اور افغانستان کے علاقوں میں سے گزرتا ہوا تجارت کا ایک زمینی راستہ ہونا چاہیے۔ فطری بات ہے کہ بھارت اس تجویز پر والہانہ لبیک کہے، کیونکہ اس طرح اسے ایک واضح سیاسی فائدہ حاصل ہوگا، جو تجارتی فائدوں کی نسبت کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ستم ظریفی کی انتہا ہوگی جب وہ روسی اسلحہ جس کا مقصد پاکستان کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنا ہے ہمارے "تعاون" سے، ہماری سڑکوں پر سے بلا روک ٹوک گزر کر، ایک براہِ راست اور مختصر راستے سے بھارت پہنچنے لگے گا۔ طرح طرح کے زرغیب انگیز مال سے لدے ہوئے بھارتی قافلے، جن میں فتنہ پرداز جاسوس اور انتشار پیشہ دلال شامل ہوں گے، ہماری شاہراہوں پر مست خرامی کریں گے اور واہگہ سے لے کر ڈیورنڈ لائن تک کے اہم اڈوں پر سامان اتاریں گے اور رسد لیں گے۔ پاکستانی علاقے پر سے بھارت کو نقل و حمل کی سہولتیں دینے کا صرف یہی سنگین پہلو نہیں ہے۔ اگر پاکستان بھارت کے لیے اپنی سرحدیں علاقائی تجارت بڑھانے کی غرض سے کھول دے تو کیا بھارت بھی چینی قافلوں کو تبت اور نیپال کی درمیانی شاہراہ کے راستے سے ہوتے ہوئے بھارتی علاقے کے پورے طول و عرض میں سے مشرقی پاکستان، برما اور لنکا تک پہنچنے کی اجازت دے گا۔

www.bhutto.org

اس طرح کی تجویز اگر پھول پھل سکے تو اس سے اُن تمام ممالک کے درمیان تعاون کا رشتہ پیدا ہو سکتا ہے جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ لیکن بھارت کسی صورت بھی اس کی اجازت نہیں دے گا۔

پاکستان میں سے گزرتا ہوا زمینی راستہ بھارت کو روس کی سرحدوں تک پہنچا دے گا اور اور اس سرزمین کی عسکری اہمیت گھٹا دے گا۔ اگر پاکستان ایسی تجویز کے سامنے گھٹنے ٹیک دے تو صلح پسندی کے کسی مزید ثبوت کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے؟ اس تجویز نے نہر سویز کی بندش سے جنم نہیں پایا۔ یہ دو سال پہلے پاکستان، افغانستان اور روس کے درمیان نقل و حمل کے اجراء کے لیے پیش کی گئی تھی۔ اس وقت حکومت پاکستان نے مجوزہ انتظام سے بھارت کو مستفید ہونے کا حق دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اُمید کرنی چاہیے کہ حکومت اس بنیادی موقف پر قائم رہے گی ورنہ فرخا بیراج پر جو تعطل پیدا ہو گیا ہے اور جس طرح اگر تلہ پر بھارت کے سایے پڑ رہے ہیں اور کشمیر پر اس کی گرفت سخت تر ہو رہی ہے اگر بھارت کو پاکستانی علاقے سے گذرنے کی اجازت دے دی گئی تو یہ حرکت شکست کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف ہو گی۔

حکومت نے خود اقرار کیا ہے کہ فرخا بیراج کے بارے میں بھارت کے ساتھ مذاکرات بیکار ثابت ہوئے ہیں اور بھارت بیراج کی تعمیر میں نہایت تیزی سے کام لے رہا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ ایک مرتبہ بیراج بن گیا تو پھر پاکستان اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ کشمیر پر بھی مذاکرات اور بھی بیکار ثابت ہوں گے۔ حالات کا شدید تقاضا ہے کہ حکومت فوری طور پر سلامتی کونسل کا رُخ اختیار کرے اور مطالبہ کرے کہ وہ اپنے اُس وقیع عہد کو ایفاء کرنے کے لیے اختیار کو استعمال میں لائے جو اس نے ستمبر ۱۹۶۵ء کی قرارداد کی صورت میں واشگاف طور پر کیا تھا۔

سرینگر میں طلباء کے حامیہ مظاہروں نے مشکلات کی ایک نئی لہر پیدا کر دی ہے۔ بھارت کے رازداں بخشی غلام محمد نے صورت حال کو ایک ایسے آتش فشاں سے تشبیہ دی ہے جو کسی لمحے بھی پھٹ سکتا ہے۔ حکومت بار بار اعلان کرتی رہتی ہے کہ وقت آنے پر مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل میں لے جائے گی اور یوں اسے اپنی ذمہ داریوں سے گریز کی ایک راہ مل جاتی ہے۔ اگر سلامتی کونسل کی مداخلت کا اب بھی وقت نہیں آیا تو جس وقت کا انتظار

www.bhutto.org

حکومت کر رہی ہے وہ کبھی نہ آئے گا۔ خاصا وقت پہلے ہی گنوایا جا چکا ہے۔ اگر مزید وقت ضائع کیا گیا تو سلامتی کونسل کو اپنی ذمہ داری سے کنارہ کش ہونے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا اور اس طرح حق خود ارادیت پر مبنی ایک امن انگیز معاہدے کا دروازہ بالآخر بند ہو جائے گا۔

پاکستان ایک بین الاقوامی غلمان بن کر رہ گیا ہے۔ حکومت کی گلا گھٹو پالیسیوں نے ملک کو کونے میں دھکیل دیا ہے۔ امریکہ کو اس کی حسب معمول چنداں پروا نہیں۔ ایران اور متحدہ عرب جمہوریہ اپنے مسائل کے تصفیے کے لیے ترکی اور تیونس سے رجوع کرتے ہیں اور اس پاکستان کو نظرانداز کر جاتے ہیں جس نے ایران کے ایماء پر ملائشیا سے سفارتی تعلقات بحال کر لیے تھے۔ سوویٹ روس بھی اب بھارت کو دوبارہ فوجی امداد جاری کر دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ ہر اس بھارتی باشندے کو جو برطانیہ کے قانون ترک وطن کی خلاف ورزی کرے برطانوی پریس میں جان بوجھ کر پاکستانی کا لقب دے دیا جاتا ہے اس کے برعکس کینیا سے برطانیہ بھاگ کر آنے والے گروہ در گروہ بھارتیوں کو محض اس لیے "کینیا کے ایشیائی" کہہ کر پکارا جاتا ہے کہ ذکی الحس بھارت برا مان جائے گا۔ پاک چین تعلقات کی آب اتر گئی ہے۔ اقتصادی طور پر ایک پسماندہ ملک کی حیثیت سے پاکستان کے پاس ایٹمی طاقت بننے کی بنیادی تکنیکی اہلیت نہیں اور پھر بھی وہ نفس کشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی تجاویز کا محرک بن رہا ہے جن کا مقصد ایٹمی اسلحے کی روک تھام ہے اور جنہیں ایٹمی طاقتیں غیر ایٹمی ملکوں پر ٹھونسنے کے درپے ہیں۔ اس کے برعکس جب تک ایٹمی طاقتیں مخصوص مراعات نہ دیں بھارت ایٹمی اسلحے کی تخفیف کے معاہدے پر دستخط کرنے کو تیار نہیں۔ پاکستان کے اطاعت گزارانہ رویے کے برعکس بھارتی وزیر اعظم کا قابل داد رویہ یہ ہے کہ امریکہ اور روس دونوں کی منت سماجت کے باوجود بھارت نے تخفیف اسلحہ کے معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وزیر اعظم کو بسگن بذات خود دلی گئے تھے کہ اس معاہدے کے سلسلے میں بھارتی حکومت کی رضامندی حاصل کریں۔ ان کے رخصت ہونے کے اگلے ہی دن مسز گاندھی نے اعلان کر دیا کہ معاہدے کی موجودہ صورت چونکہ بھارت کے مفاد کے خلاف ہے اس لیے بھارت اس میں شرکت نہیں کرے گا خواہ اسے روس اور امریکہ سے ملنے والی

www.bhutto.org

امداد سے ہاتھ ہی کیوں نہ دھونے پڑیں۔ ہوگا یہ کہ بھارت تمام ممکن مراعات بھی حاصل کرے گا اور ایٹمی طاقتوں کو بالآخر ممنون احسان کرنے کا حق بھی محفوظ رکھے گا پاکستان کوئی رعایت حاصل نہیں کرے گا۔ کیونکہ اپنے آپ کو ایٹمی طاقت کے مقام سے محروم رکھ کر وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار رہا ہے۔ اس طرح پاکستان نے سودا کرنے کے تمام فائدے پہلے ہی سے کھو دیے ہیں اور اپنے قومی مفادات کو خاص طور پر بھارت کے انکار کو دیکھتے بھالتے، مجروح کر لیا ہے۔ آخر ایٹمی طاقتوں سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر وہ کام کرنے کی کیا ضرورت تھی جو وہ غیر ایٹمی ملکوں کی قیمت پر کر گزرنے کے لیے اتنی بیتاب تھیں۔

جب بھی کشمیر پر بھارتی گرفت ڈھیلی پڑنے لگتی ہے تو بھارت بحران پر قابو پانے کے لیے مذاکرات کا جال بچھاتا ہے۔ اس نے ۱۹۵۳ء میں یہی کچھ کیا تھا جب پاکستان کے ساتھ مذاکرات کی آڑ میں اس نے شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہی کچھ اس نے ۱۹۶۲ء میں چین بھارت تنازع کے دوران کیا تھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر اس ہتھکنڈے پر اتر آیا ہے کیونکہ شیخ عبداللہ نے کشمیر کے مسئلے کو زندہ کر کے ایک تازہ بحران پیدا کر دیا ہے۔ شیخ عبداللہ کا کشمیر میں جس والہانہ انداز سے استقبال کیا گیا ہے، اس سے بھارتی حکومت کو خاصی تشویش لاحق ہو گئی ہے، اس حد تک کہ بھارتی وزیر داخلہ کی طرف سے انھیں دوبارہ گرفتار کرنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھارتی حکومت نے پاکستان کے ساتھ تنازعات کے بارے میں بات چیت کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے جب بھی بھارت کو مصیبت پڑتی ہے وہ پاکستان کو فضول مذاکرات میں الجھا کر بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اُسے مہلت مل جاتی ہے کہ وہ اپنی پوزیشن مضبوط کرنے اور معاملات کو اپنے ڈھب پر لے آئے۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو بھارت اپنا عمومی موقف اختیار کر لیتا ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور اُس کے مستقبل کے بارے میں بات چیت کی گنجائش ہی نہیں۔ پاکستان کو بھارت کے بچھائے ہوئے جال میں جا پھنسنے کی جو لگن لگی ہوئی ہے کشمیر میں اُسے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ بھارتی پراپیگنڈا اُسے خوب ہوا دے گا تاکہ اُن عوام کے جذبات پر گھڑوں پانی ڈالا جا سکے جو جانتے ہیں کہ ماضی میں بھی کسی طرح وہ

www.bhutto.org

بھارت کے اسی طرح کے ہتھکنڈوں کے ہاتھوں ڈسے جا چکے ہیں جو وادی کشمیر کے ہر بحران پر قابو پانے کے لیے بھارت آزماتا رہا ہے۔ ہماری اس روش سے شیخ عبداللہ بھی ضرور سبق سیکھیں گے کہ وہ بچارے ایک طرف بھارت کی غاصبانہ پالیسی اور دوسری طرف پاکستان کی بے رخی کے دو پاٹوں میں پس رہے ہیں۔

---

www.bhutto.org

(۵)

استحکام کا افسانہ

پاکستان کے استحکام کا بہت چرچا ہے۔ استحکام تو مستقل اداروں کے وجود اور پالیسی کے تواتر سے پیدا ہوتا ہے۔ صدر کی بیماری نے واضح کر دیا ہے کہ موجودہ حکومت مستقل اداروں پر قائم نہیں۔ استحکام محض افسانہ ہے کیونکہ اس حکومت کی پالیسیوں میں تواتر کا کوئی نشان نہیں ملتا جیسا کہ قبل ازیں ثابت کیا جا چکا ہے داخلہ اور خارجہ دونوں پالیسیاں، غلط کارانہ اور تضاد کا شکار ہیں۔ وہ پنڈولم کی ایک انتہا سے دوسری انتہا کی جانب جھولتی چلی آتی ہیں۔ استحکام کا یقیناً صرف یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کوئی حکومت دس سال تک اقتدار سے چمٹی رہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی حکومت کی پالیسیوں کو پھول پھل لانے کی مہلت ملے اور وہ بار بار نہ بدلے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک حکومت سے اقتدار کو باضابطہ طور پر دوسری حکومت کی جانب منتقل کرنے کے لیے ادارے موجود ہوں۔ پاکستان میں ان میں سے کوئی شرط بھی پوری نہیں ہوتی۔ صدر کی حالیہ علالت سے صورتِ حال میں ایک نوعی اور مقداری تبدیلی رونما ہو گئی ہے۔ اس نے جانشینی کا مسئلہ اُبھار دیا ہے۔ دو ماہ سے زائد عرصے تک حکومت کا کاروبار سربستہ راز رہا اور خود اپنے بنائے ہوئے دستور کی خلاف ورزی کی جاتی رہی۔ صرف ایک مثال ملاحظہ کیجیے: قومی اسمبلی کے سپیکر نے دستور کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے ایک جج کے عہدے کا حلف لیا، حالانکہ اُسے ایسا کرنے کا صرف اس صورت میں اختیار تھا کہ اُسے قائم مقام صدر بنا دیا جاتا۔ سپیکر کو کاروبارِ حکومت سے قریب رکھنے کے بجائے ایک وفد میں ملک سے باہر ارسال کر دیا گیا تاکہ اس کی موجودگی سے پھوٹنے والی پریشانی رفع کی جا سکے، کیونکہ ملک میں رہتے ہوئے اس کی دستوری حیثیت نگاہ میں آتی تھی۔ دستور کی سنگین خلاف ورزی کی اور مثالیں بھی موجود ہیں۔

www.bhutto.org

اس سے ظاہر ہے کہ دستور اور اس سے وابستہ نظام کی زندگی اُس ہستی کے دم سے قائم ہے جس نے انھیں جنم دیا ہے۔ اندرونی تناؤ اور مہلک سازشیں پھولتے پھولتے اتنی پھولیں گی کہ غبارہ پھٹ جائے گا۔ فیصلے پہلے سے بھی ڈانواں ڈول ہو جائیں گے اور پالیسیاں پہلے سے بھی بے قاعدہ ہو جائیں گی۔ اقتدار کی پُرفریب دوڑ شروع ہو جائے گی اور گروہ بندی کا آغاز ہو جائے گا جس سے جانشینی کے مقابلے میں بے یقینی مزید بڑھ جائے گی۔ ہوا اُفواہوں سے مکدّر ہو جائے گی۔ یوں یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ پہلے بھی صورت حال تشویش ناک تھی لیکن صدر کی بیماری نے اس کی شدّت میں اضافہ کر دیا ہے۔ صدر کی صحت اس لیے جواب دے گئی کیونکہ انھوں نے ناقابلِ برداشت بوجھ اُٹھا رکھا تھا۔ اپنے آپ کو جسمانی تباہی سے بچانے کے لیے انھیں اپنی بہت سی ذمّہ داریوں سے دستکش ہونا پڑے گا۔ مگر نظامِ حکومت میں یہ گنجائش نہیں کہ طاقت کو بانٹا یا سونپا جا سکے۔ اسے صرف ایک ستون کے سہارے استوار کیا گیا ہے جسے ہٹا دیا جائے تو پوری عمارت زمین پر آ رہتی ہے۔ اس کے علاوہ، صدر کے گرد جو لوگ ہیں ان پر یہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ اُن پر بھاری ذمہ داریاں ڈال دی جائیں تو وہ انھیں مستعدی سے نباہ جائیں گے۔ دستور کے دائرے میں ناممکن ہے کہ طاقت کا پھیلاؤ موثر ثابت ہو۔ نظام میں چونکہ لچک ہی نہیں اس لیے اگر اس کے ساتھ قابلِ عمل دُم چھلے لگائے جائیں تو اس کا ڈھانچا انھیں سہار نہ سکے گا۔

عوامی احساسات کے دباؤ تلے اگر اس موقع پر کچھ ترمیمیں کی بھی گئیں تو ان سے صرف حکومت کی اعصابیّت کی غمّازی ہو گی، صورتِ حال سُدھرنے کا کوئی امکان نہیں۔ نائب صدر کا عہدہ تخلیق کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ صدر کے ساتھ ایک مشیرِ اعلیٰ منسلک کر دیا جائے۔ دستور میں پہلے ہی دو مشیروں کی گنجائش موجود ہے۔ ان میں سے جو نشست بنگال کے لیے مختص تھی، وہ ہمیشہ خالی رہی ہے۔ البتہ دوسری مختصر سے عرصے کے لیے دستور کے نفاذ کے وقت پُر کی گئی تھی یا پھر اب پُر کی گئی ہے جب کہ

www.bhutto.org

دستور کو جان کے لالے پڑے ہوتے ہیں۔ یہ ترکیبیں خلا کو پُر کرنے کے لیے ناکافی ثابت ہوئی ہیں۔ نائب صدر یا تو صدر کا تابع مہمل ہوگا یا پھر عملی طور پر صدر کے اختیارات استعمال کرے گا۔ اگر وہ صدر کے تمام اختیارات سنبھال لیتا ہے تو بالائی سطح پر اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ دوسری طرف اگر نائب صدر کو محض رسمی اختیارات حاصل ہوں تو نہ وہ انتظامیہ اور مقننہ کو قابو میں رکھ سکے گا اور نہ سروسیں اُسے احترام کے قابل سمجھیں گی۔ اس کے وظائف دوسروں کے دائرۂ کار میں دخل انداز ہوں گے اور فیصلوں کو دوڈوک بنانے کے بجائے جھلاہٹ پیدا کرنے کا باعث بنیں گے۔ جب تک وہ اتنے ہی بڑے انتخابی ادارے کی جانب سے منتخب نہیں ہوتا جو صدر کو منتخب کرتا ہے وہ اختیارات ہی کو مؤثر طور پر استعمال کر سکتا ہے نہ احترام ہی کے قابل ہو سکتا ہے۔ کسی دوسرے ذریعے سے منتخب ہونے والے نائب صدر کو کوئی اخلاقی اور قانونی جواز حاصل نہ ہوگا۔

اس بات کا امکان ہے کہ نائب صدر دوسرے بازو سے چُنا جائے، بشرطیکہ حکمران ٹولے کی تسلی ہو جائے کہ اُسے انگلیوں پر نچایا جا سکے گا۔ بہرحال اس انتظام سے پاکستان کے دونوں حصّوں کے درمیان تفریق کو عُروج پر پہنچانے کی ترغیب میں اضافہ ہوگا۔ حالات کا جو رُخ سامنے آ رہا ہے اس کے پیشِ نظر اس اقدام کا مطلب ہوگا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ناچاقی کے بیج قانونی طور پر بو دیے گئے ہیں۔ دوسری جانب اگر نائب صدر بھی اُسی صوبے سے لیا جائے، جہاں سے صدر، تو اسے مشرقی پاکستان میں وسیع سطح پر ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

نظامِ حکومت کی شکست و ریخت شروع ہو چکی ہے اور داخلی اصلاح کا کوئی اقدام اُسے بچا نہیں سکتا۔ اس کا اقرار وزیرِ قانون نے امسال، شروع مارچ، راولپنڈی میں ایک تقریر کرتے ہوئے کیا تھا۔ یہ اس اعتبار سے انتہائی غیر معمولی مظاہرہ تھا کہ انھوں نے معنوی طور پر تسلیم کیا کہ قومی زندگی میں اسی طرح کا ایک خلاء موجود ہے جیسا کہ ۱۹۵۸ء میں پیدا ہو گیا تھا۔ اور جس کے باعث فوج کی مداخلت کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اس بات کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ وزیرِ قانون نے پاکستان مسلم لیگ کے بارے میں کہا تھا کہ اُس کا وجود رائے نام

www.bhutto.org

ہے اور وہ قومی تائید حاصل کرنے یا عوام کو متاثر کرنے کی اہلیت سے محروم ہے۔ حکومت کے ایک وزیر کی جانب سے یہ ناکامی کا سکہ بند اقرار ہے۔ وزیر قانون کی تقریر کی کوئی دوسری تشریح نہیں کی جا سکتی کیونکہ انھوں نے خود اپنے الفاظ میں مانا ہے کہ حکمران پارٹی وجود ہی نہیں رکھتی اور ملک میں ایسے حالات کارفرما ہیں جو ایک مرتبہ پھر فوجی مداخلت کو دعوت دے رہے ہیں۔ انتظامیہ میں جو بھی ہنگامی تبدیلیاں کی جائیں وہ عارضی ثابت ہوں گی اور بحران کو اور بھی شدید بنا دیں گی۔ متبادل انتظامات اگر تشدد سے پاک بھی ہوئے تو لوگوں میں اعتماد پھونکنے میں ناکام رہیں گے۔ حکومت کی مشینری ایک ایسی جگہ پہنچ کر رک گئی ہے کہ نہ تو یہ موثر رعائتیں دینے کے قابل ہے اور نہ اسے مزید رعایت دی جا سکتی ہے۔ جونہی اپوزیشن کا کوئی لیڈر کسی جمہوری مطالبے کو منوائے بغیر حکومت سے گٹھ جوڑ کرے گا اس کا تعاون بیکار ہو کر رہ جائے گا کیونکہ وہ فوراً عوام کی نظروں سے گر جائے گا۔ دوسری جانب اگر کچھ اپوزیشن لیڈر جمہوری مراعات حاصل کر کے حکومت میں شامل ہو جاتے ہیں تو اقتدار حکومت کے ہاتھوں سے نکل جائے گا، عوام اپنے آپ کو مضبوط محسوس کرنے لگیں گے اور حالات عوامی طاقتوں کو ایسے مقام پر لا کھڑا کریں گے کہ وہ حکومت کو مسندِ اقتدار سے ہٹا کر ہی دم لیں گے۔

بحران پر داخلی ادل بدل سے قابو نہیں پایا جا سکتا۔ حکومت کے مرکزِ اقتدار کو تعمیرِ نو کا کام شروع کرنے کے لیے موجودہ ڈھانچے سے باہر کوئی متبادل راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اس نظام کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کوئی ایسا جمہوری قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا جس سے بحران پر قابو پایا جا سکے۔ مسئلے کا صحیح حل موجودہ نظام کے دائرے سے باہر کوئی جمہوری اقدام ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن حکمران اُسے آزمانے سے کترائیں گے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ بحران سے نبٹنے کا یہی واحد منطقی راستہ ہے۔

---

www.bhutto.org

(۶)

راہِ عمل

موجودہ دستور جو ۱۹۶۲ء میں نافذ کیا گیا اور جس سے حکومت کو قانونی جواز حاصل ہے، یہ تین ایسی دفعات: ۱۴، ۱۵، اور ۱۶، کا حامل ہے جو صدر کے جسمانی یا ذہنی طور پر معذور ہو جانے کی صورت میں زیرِ عمل آنے والے بندوبست کا ضابطہ طے کرتی ہیں۔ ان متعلقہ دستوری دفعات میں شرائط اور طریقِ کار کو کھول کھول کر بیان کیا گیا تھا۔ لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود دفعہ ۱۶ زیرِ عمل نہ آسکی جس کے تحت سپیکر کو صدر کی علالت کے طویل بحرانی دنوں میں صدر کی جگہ کام کرنا چاہیے تھا۔ جب صدر ایک مہلک مرض میں مبتلا تھے اور ظاہر ہے کہ اپنے عہدے کے گراں بار فرائض انجام دینے سے بالکل قاصر تھے تو کون کا حکم چلتا تھا اور مملکت کے اُمور کون طے کرتا تھا؟ یہ ہمیں نہیں بتایا گیا۔ دستور کے مطابق جس شخص کو صدر کے فرائض ادا کرنے چاہئیں تھے وہ سپیکر تھا۔ پھر اُسے وہ ذمہ داری سنبھالنے سے کیوں روکا گیا جو ملک کے اعلیٰ ترین قواعد و ضوابط۔ یعنی دستور کے مطابق اس پر عاید ہوتی تھی۔ اُسے کس نے روکا؟ یہ بیکار کے سوالات نہیں، کیونکہ یہ اصل مسئلے کی تہ تک جاتے ہیں۔

اگر دستور کے مطابق سپیکر کو صدر کے طور پر کام کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو بساطِ اقتدار کے حقائق کے پیشِ نظر اغلب یہی تھا کہ اس کی سربراہی محض برائے نام ہوتی۔ اس کے باوجود اسے یہ خالصتاً انتقامی یا درشتی کردار ادا کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ جو کچھ ہوا اس کی شاید دو وجہیں ہیں۔

سب سے پہلے تو بعض امراء کے تعصب کو زیرِ نظر لانا چاہیے جنھیں حکومت میں اتنا زیادہ اقتدار اور اثر حاصل ہے کہ وہ اس کے مستحق نہیں۔ اس کو انگریز حکمرانوں کے نسلی تعصب سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو وہ نسل اور رنگ کے باعث تمام دیسی باشندوں سے برتتے تھے۔ اب صورت یہ ہے کہ جن متعصب پاکستانیوں کا ذکر ہو رہا ہے وہ اپنے آپ کو

www.bhutto.org

انگریز حکمرانوں کا گدی نشین سمجھتے ہیں۔ صدر کی علالت کے دوران امورِ مملکت کا فیصلہ کرنے والے قریبی لوگوں کے لیے یہ خیال ناقابلِ برداشت تھا کہ ایک مشرقی پاکستانی سپیکر ایسے حالات میں صدر کی جگہ سنبھال لے جب مستقبل امید افزا نہ ہو۔ ان سے بعید تھا کہ دستور کے مطابق درست کارروائی کی اجازت دیتے۔ سپیکر جو بنگالی ہیں۔ صدر کے بیرونی ملکوں کے دوروں کے دوران پہلے کئی مرتبہ، صدر کے قائم مقام رہ چکے ہیں۔ لیکن تب اور بات تھی؛ ان کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آنے ہی نہ دیا جاتا تھا جس کی کچھ اہمیت ہو کیونکہ صدر صاحب فوری نوعیت کے تمام معاملات پر باہر سے ضروری احکام دے سکتے تھے۔

دیکھا جائے تو سپیکر ایسے شخص ہیں کہ انھوں نے دل سے کوشش کی ہے کہ حکومت اور وہ ایک جان دو قالب نظر آئیں۔ مگر جب اصل اقتدار میں شرکت کا سوال پیدا ہوا تو ان سے وہی سلوک کیا گیا جو ملتے جلتے حالات میں انگریز اپنے جاں نثار ہندوستانی حامیوں سے کیا کرتے تھے؛ یہ اسامی مخصوص لوگوں کے لیے تھی، ویسی لوگوں کے لیے نہ تھی۔

اب ہمیں دوسری وجہ کو دیکھنا چاہیے حکومت کا کردار آمرانہ ہے۔ بہت سے غرض مندانہ مفادات کو جان بوجھ کر جنم دیا گیا ہے تاکہ شخصی اقتدار قائم رہے۔ یہ بھی معنی میں آمرانہ حکومت ہے جو محض ایک ستون پر کھڑی ہے۔ تاریخ کا پورا دفتر گواہ ہے کہ اس طرح کے نظام میں مرکزی شخصیت ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ کسی دوسرے شخص کو اُس کے پہلو بہ پہلو، بلکہ قریبی نچلی سطح پر بھی، جگہ دی جائے۔

انسان لاثانی نہیں، اگر حکومت موروثی ملوکیت کے تصور پر استوار ہوتی تو جانشینی کا مسئلہ بالکل آسان ہو جاتا۔ بظاہر دستور میں گنجائش ہے کہ صدر کے معذور ہو جانے یا اس کے سُبکدوش ہو جانے پر کیا انتظامات ہوں گے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ دستور واقعی ریپبلیکن ہے اور کم از کم سطحی طور پر ڈیموکریٹک۔ لیکن اصل میں چونکہ تمام وزیر محض ہیچکار تھے، نہ کسی کی ساکھ تھی نہ کسی کو اختیار، اس لیے دستور کی متعلقہ دفعات کے نفاذ کا حکم خود صدر ہی کو دینا تھا۔ بالائی سطح پر کوئی بھی موثر تبدیلی کی جاتی تو اس سے تبدیلیوں کے ایک پورے سلسلے کا آغاز ہو جاتا۔ وزیروں کو عوامی تائید حاصل نہیں، وہ محض منصب دار ہیں جن کا

www.bhutto.org

اختیار صدر کی مرضی پر منحصر ہے۔ چنانچہ چیلنے افسروں کے ساتھ ساتھ وزیروں نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ دستوری دفعات کے نفاذ سے گریز کیا جائے۔ یہ دوسری وجہ ہے کہ دستور کو کیوں پسِ پشت ڈالا گیا۔

اس دوسری وجہ کو ایک اور طرح سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مرکزِ اقتدار اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لیے غرض مندانہ مفادات سے مدد لیتا ہے لیکن شخصی نظام میں کسی دوسری شخصیت کو ایک خاص حد سے زیادہ نمایاں ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اس ضمن میں ملک امیر محمد خاں، نواب کالا باغ، کے زوال کو یاد رکھنا چاہیے۔ اس لیے جب صدر کی علالت کے باعث بحران پیدا ہوا تو مرکزِ اقتدار میں کسی فردِ واحد کو یہ جرأت نہ تھی کہ وہ اقتدارِ اعلیٰ کا دعویدار نظر آئے بلکہ وہ سب من حیث المجموع اُس نتیجے سے خوفزدہ تھے جو دستور کی متعلقہ دفعات کے نفاذ کی صورت میں اُبھر سکتا تھا۔ کم از کم کچھ عرصے کے لیے اُن کا مشترکہ مفاد اسی میں ہے کہ حالات جُوں کے تُوں رہیں۔ چنانچہ نائب صدر کا عہدہ قائم کرنے کا چرچا ہو رہا ہے۔

نائب صدر کے عہدے کی تخلیق دراصل دستور کی منطق ہی کے خلاف ہے جس میں درج ہے کہ جب صدر معذور ہو جائے تو لازم ہے کہ اُسے عارضی یا مستقل طور پر فرائض سے سبکدوش کر دیا جائے۔ اگر صدر واقعی معذور ہو گئے ہیں تو اس کا حل یہ نہیں کہ اُن کے فرائض کوئی نائب صدر انجام دینے لگے۔ ہمارے کارفرما دستور کی متعلقہ دفعات کو ناقابلِ عمل نہیں گردانا جا سکتا؛ بس ان پر عمل نہیں کیا گیا اور معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل میں بھی نہیں کیا جائے گا۔

اس وقت یہ ہوتا نظر آ رہا ہے کہ مسندِ اقتدار کے آس پاس ذاتی مفادات کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ یہ عناصر افراد کی شکل میں ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کو غرض مندانہ مفادات کی بڑی بڑی اور مضبوط تنظیموں کی تائید کی تلاش ہے۔ شہری وزیروں کی حالت سب سے کمزور ہے۔ ان میں سے شاید ہی کسی کو عوام کے کسی طبقے کی حمایت حاصل ہو چنانچہ وہ بھی غرض مندانہ مفادات سے تائید کے خواہاں ہیں اور ساتھ ہی دوسرے اقتداری گروہوں، مثلاً سروسوں، کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں کوشاں ہیں۔

www.bhutto.org

سرمایہ دارانہ مفادات بھی سب کے سب یکجا نہیں، حکمران ٹولے کے ارکان انھیں اپنے اپنے دامِ محبت میں پھانسنے کی ضرور کوشش کریں گے۔ بعض انتہائی مفسد سرمایہ دار اپنی ذاتی پالیسی پر کاربند ہوں گے اور حالات کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ بہرحال توقع ہے کہ وہ انھی عناصر کی مدد کریں گے جنھیں قبضۂ قدرت میں رکھ سکیں۔ لیکن یہ بات ہرگز یقینی نہیں کہ وہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کو اپنے حق میں مفید سمجھیں۔ اغلب ہے کہ انفرادی اور جماعتی، دونوں طور پر، حکمران ٹولے کے اہم ارکان انھیں رام کرنے کی کوشش کریں۔ گٹھ جوڑ تو اب بھی موجود ہیں لیکن بحران کے دباؤ تلے ممکن ہے کہ ان میں تغیر و تبدل رُونما ہو جائے۔

اگرچہ مستقبل کے بارے میں باوثوق انداز سے پیش گوئی نہیں کی جا سکتی پھر بھی جو بہت سی قوتیں کارفرما ہیں اُن کے جائزے سے آئندہ رُونما ہونے والے حالات کے رجحان کا کچھ اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں عظیم طاقتوں کو لپیٹ میں لے لینے والی جنگ جیسے بیرونی حالات کو نظرانداز کرنا ہوگا جن کے باعث ہمارے ملک کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں کسی کم و بیش پُرامن انتقالِ اقتدار کی تمام کوششیں لازماً ملیامیٹ ہو جائیں گی۔ عالمی جنگ یا بیرونی مداخلت کے بغیر بھی اس بات کا اگر مکمل نہیں تو بیشتر انحصار موجودہ اقتداری گروہوں پر ہی ہے کہ انتقالِ اقتدار کسی پُرامن اور منظم طریق پر ہو سکے۔ بعض افراد یا طاقتور غرضمندانہ مفادات کی تنظیم کے بعض گروہ، دہشت کے عالم میں اپنی مشکلات کے حل کے طور پر طاقت کا استعمال آزمانے کی غلطی بھی کر سکتے ہیں۔

صورتِ حالات جو مختلف رُخ اختیار کر سکتی ہے پہلے ان میں سے دو کو دیکھتے ہیں کہ ان کا انحصار حکومت کے اپنے اندر کی طاقتوں پر ہے۔

اوّل، حکومت یعنی موجودہ نظام مختلف ہتھکنڈوں اور حیلے بہانوں سے برقرار رہے اور اس کے چہرے پر دستوری حکومت کا نقاب پڑا رہے۔

دُوم، حکومت کا تختہ اُلٹ جائے مگر بظاہر ایسا معلوم نہ ہو۔

صُورتِ حال کے پہلے رُخ کی تشکیل شروع ہو چکی ہے۔ اس ضمن میں چالیں چلی جا رہی

www.bhutto.org

ہیں کہ دستور کی وہ دفعات پسِ پشت ڈالی جا سکیں جن پر اگر عمل کیا جائے تو تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ یہ غلط تاثر دیا جا رہا ہے کہ دستور میں کوئی خلاء تھا جسے نائب صدر کے تقرر سے پُر کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ دستور میں مسند نشین صدر کی عارضی یا مستقل معذوری جیسے الفاظات سے عہدہ برآ ہونے اور صدر کا انتخاب کرانے کی گنجائش موجود ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خلا بھی ہے کیونکہ اس میں یہ گنجائش نہیں کہ صدر کی پسند کے شخص کو بلا کھٹکے مسندِ اقتدار پر فائز کر دیا جائے۔ نائب صدر کے عہدے کی تخلیق کے پیچھے یہ خیال کارفرما ہے کہ صدر کے انتخاب سے گریز کیا جائے۔ اقتداری گروہوں کو اُمید ہے کہ اس طرح وہ آنے والے کئی سالوں تک، جبر اور بدعنوانی کے جانے پہچانے مرکب کے مسلسل استعمال سے، اپنے دستِ قدرت کو برقرار رکھ سکیں گے۔

وہ زیادہ دیر نہیں نکالیں گے، اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ وہ اپنے عزائم میں مختصر سے عرصے کے سوا کامیاب ہو سکیں۔ نہ تو افسر اور نہ ان کے موکل ہی اس قابل ہوں گے کہ ناپسندیدگی کے اس اُمنڈتے ہوئے سیلاب کو روک سکیں جو اندریں حالات بپھر کر اقتدار کے فرسودہ بندوں کو پاش پاش کر دے گا۔ جن اقتداری گروہوں نے یہ راہ اختیار کی ہے ان کا خلجان یہ ہے کہ طاقت کے استعمال کی ہر کوشش ایک ایسی نئی صُورتِ حال اُبھارے گی جسے وہ دعوت تو دے سکتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ اُسے قابو میں بھی رکھ سکیں۔

دوسری جانب عوام کی مرضی کے بغیر صدارتی جانشینی کے دستوری حیلے میں بھی سنگین خطرات ہیں۔ آیئے نائب صدر کے حوالے سے سامنے آنے والے حل کا جائزہ لیں۔

نائب صدر کے عہدے پر کوئی ایسا شخص ہی فائز ہو سکتا ہے جو یا تو صدر کے جانشین کے طور پر اقتداری گروہوں کے نزدیک قابلِ قبول ہو یا پھر ان گروہوں کی نظر میں ایسے مشاق شاطر کی حیثیت رکھے جو ان کی مرضی کے آدمی کو مسندِ اقتدار پر لا بٹھانے کا ذمہ لے اور بساطِ اقتدار کو درہم برہم بھی نہ ہونے دے۔ اگر اس شخص میں زیرِ نظر مطالبات پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت ہو گی تو وہ اقتداری گروہوں کے ہاتھ

www.bhutto.org

میں کٹھ پتلی بن کر تو نہیں رہے گا۔ اس لیے ہم نتیجے پر فوراً پہنچ جاتے ہیں کہ نائب صدر مشرقی پاکستان سے نہ ہوگا۔

موجودہ طرزِ حکومت شخصی اقتدار پر قائم ہے جسے عرض مندانہ مفادات کے ایک خاص تانے بانے کی تائید حاصل ہے۔ یہ عرض مندانہ مفادات مجموعی طور پر تو جُوں کے تُوں رہتے ہیں لیکن صدر اپنے اردگرد کے افراد کو آگے پیچھے کرتا رہتا ہے جو اس کے احکام بجالاتے ہیں۔ سرمایہ دار ملکوں کے وہ مبصر جنھیں ہمارے حالات کی گہری بصرت حاصل نہیں اس رجحان کا شکار رہے ہیں کہ اس جانے پہچانے فارمولے پر زور دیں، جس کے مطابق "دولت ہی اقتدار ہے"۔ پاکستان میں یہ بات ایک حد تک تو درست ہے لیکن جو غیر مہذب نظام اُس نسبتاً ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ مسلط ہوگیا ہے، جو انگریزوں نے ہم پر ٹھونسا تھا اُس نے اس فارمولے کو یوں بدل دیا ہے کہ اب "اقتدار ہی دولت ہے"۔ غیر مہذب طور طریق کی جانب واپسی کی ایک مثال یہ ہے کہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے ظالمانہ جرگہ سسٹم کو پھر سے رائج کر دیا گیا ہے۔ "اقتدار ہی دولت ہے" کا مطلب ہے کہ امیر بننے کے لیے انسان کے پاس اقتدار ہونا چاہیے یا برسرِ اقتدار لوگوں کی حمایت حاصل ہونی چاہیے۔

مستقبل کے بعض امکانات کا احاطہ کرنے کے لیے کہ ملک کے حالات کیا رُخ اختیار کریں گے یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ جب قومی معاملات میں یہ اصول اُن باہر کے افراد یا گروہوں کے بجائے جنھوں نے کسی نہ کسی اعتبار سے لُٹے پٹے عوام کی صفوں سے اپنے آپ کو ممتاز کر رکھا ہے خود قوم کے اپنے ارکان کے ہاتھوں زیرِ عمل آتا ہے تو کیا ہوتا ہے۔ متعدد ملکوں میں رہنما اصول وہی ہے جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے — "اقتدار ہی دولت ہے"۔ اس اصول نے بہت سے چھوٹے چھوٹے نو آزاد افریقی ممالک میں ناگہانی انقلابات کے ذریعے اپنے آپ کو منوالیا ہے۔

غریب اور امیر ملکوں کے درمیان جو فرق ہے وہ ان کے کروڑپتیوں کی نہیں بلکہ ان کے عوام کی تقابلی حالت پر منحصر ہے۔ پاکستان کے کروڑپتی بڑے فخر سے امریکہ

www.bhutto.org

اور مغربی یورپ کے کروڑ پتیوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ تقسیم کے وقت مٹھی بھر امیر پاکستانیوں کی فراوانی زرکار زمینداریوں اور جاگیرداریوں میں مضمر تھا۔ اب کروڑ پتیوں کی ایک تازہ کھیپ تیار ہو گئی ہے بڑے بڑے کاروباروں اور صنعتی اداروں کا اگر محاسبہ کیا جائے کہ انھوں نے چند ہی سالوں میں کیونکر ترقی کی ہے تو یہ حقیقت اَلَم نشرح ہو جائے گی کہ اس میں سرکاری سرپرستی نے فیصلہ کن کردار انجام دیا ہے۔ سرکاری طور پر سراسر جھوٹا پراپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ ایک آزاد معیشت میں آزادانہ کاروبار کی کارفرمائی نے ذہین کاروباریوں کو موقع دیا ہے کہ وہ اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی سے جھولیاں بھر بھر سونا سمیٹ لیں۔

جو نظام ہمارے ملک میں اپنایا گیا ہے اُسے ہرگز ہرگز عدم مداخلت کا نام نہیں دیا جا سکتا یہ نظام ہرگز ہرگز آزادانہ نہیں۔ ایک ایک کل پُرزہ حکومت کے اس طرح قبضے میں ہے کہ وہ جس کسی کی جیبوں کی جانب چاہے دولت کے دھارے کا رُخ پھیر دے۔ اب جو لوگ ان کل پُرزوں کو ادھر سے اُدھر کرتے ہیں وہ خود بھی اس نظام سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے امیر بن سکتے ہیں۔ اس طریقے سے حکومت کے وزیروں کا تو ذکر ہی کیا، سرکاری افسر بھی اقتدار میں شرکت کر کے امیر بننے کے وسیع کاروبار کی انتظامیہ کا حصہ بن جاتے ہیں۔

اُونچے کاروبار اور سرکاری ملازموں کا تعلق قابلِ فہم ہے۔ یہ مشترکہ مفاد کی مخصوص قسموں کے حوالے سے باہمی انحصار کا رشتہ ہے۔ سرکاری ملازموں کے تعاون کے بغیر سرمایہ دار کاروباری اپنا صنعتی ادارہ قائم کرنے یا تجارت کے ذریعے نفع کمانے کی توقع نہیں کر سکتا۔ لائسنس دینے کے نظام سے صرف اُن بڑے بڑے تاجروں ہی کو دلچسپی نہیں جن کی تجوریاں پہلے ہی لاکھوں سے اٹی ہوئی ہیں بلکہ بساطِ کاروبار کے ہر نووارد کو دلچسپی ہے۔ اور تو اور فیکٹریاں قائم کرنے یا مال برآمد کرنے کے لائسنس اکثر ایسے افراد کو، سیاسی یا دوسری نوعیت کی خدمات انجام دینے کے انعامِ محض کے طور پر، یا خاندانی یا قبائلی تعلق کی بنا پر بخش دیے جاتے ہیں، جو صنعتی یا کاروباری میدان میں قدم دھرنے کی نیت بھی نہیں رکھتے۔ جس شخص کو یہ بیش قیمت لائسنس ملتا ہے وہ یا تو اُسے کھڑے کھڑے بیچ دیتا ہے یا پھر بعض مراعات دے کر کسی سرمایہ دار کا ساجھی بن جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لائسنس دینے کے نظام نے (واقعی یا ایک

www.bhutto.org

نظام بن چکا ہے) بہت سے خاندانوں کی قسمت بنا دی ہے۔ ان لائسنسوں کی کیفیت ایسے پیکوں کی ہے جو قوم کے اجتماعی وسائل کے عوض بھنائے جاتے ہیں، عام صارفین ہی کو بالآخر وہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے جس پر لائسنس فروخت ہوتے ہیں۔

تمام سرکاری ملازم بدعنوان نہیں، بعض کو بدعنوانی کا موقع نہیں ملا اور بعض میں ابھی عزتِ نفس اور احساسِ فرض کی رمق باقی ہے۔ قریب قریب تمام سرکاری ملازم اُن حالات کا دباؤ محسوس کرتے ہیں جو انھیں اپنے ضمیر کے ساتھ سمجھوتا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ دیانت دار افسر جب تک موجودہ صورتِ حال کو قبول نہ کریں ترقی ہی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ انھیں ایسے ناجائز فیصلوں پر عملدرآمد کرنے میں تعاون کرنا پڑتا ہے جن سے وہ کوئی ذاتی فائدہ اُٹھانے کے خواہش مند نہیں ہوتے۔ سرکاری ملازم کی پنشن اتنی قلیل ہوتی ہے کہ جب تک وہ ریٹائر ہونے کے بعد کام نہ کرے یا ملازمت کے دوران، جب کہ موقع ہوتا ہے، ہاتھ نہ رنگے تو وہ اور اُس کا کنبہ اُس کے بڑھاپے میں مفلسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس کی پنشن کا کوئی تحفظ نہیں۔ اگر اُس کی دیانت داری حکومت کو کھٹکتی ہو تو ممکن ہے اُسے پنشن کی ایک پائی نہ ملے۔ چنانچہ وہ کاروباری لوگوں کے اُس حلقے سے تعلقات استوار کرتا ہے جس سے اُس کا واسطہ پڑتا ہے تاکہ جب وہ ریٹائر ہو تو کسی فرم میں کوئی عہدہ حاصل کر سکے۔

بالائی سطح کے سرکاری افسروں کے لیے بے حد ضروری ہے کہ حالات جُوں کے تُوں رہیں۔ ان حالات کا مطلب ہے کہ مسفاک سرمایہ داروں کو کھُل کھیلنے کا موقع میسّر رہے۔ کم درجہ سرکاری ملازمین عدمِ تحفظ کے گوناگوں ڈراوے خوابوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہیں جو اُن کی حیثیت کا لازمہ بن چکے ہیں چنانچہ وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ حالات جُوں کے تُوں رہیں مگر اس بحرانی دَور میں جو لوگ اس حکومت سے وابستہ ہیں انھیں سب سے زیادہ اس بات کی فکر ہے کہ اُس کے تسلسل کی یقین دہانی کے ذرائع کیونکر تلاش کیے جائیں۔ چنانچہ توقع کرنی چاہیے کہ اعلیٰ ترین سرکاری افسر اُن تبدیلیوں کے جو کم سے گریز کرنے کی کوشش کریں گے جو عوام کی حق رائے دہی کے استعمال کے نتیجے میں اُبھر سکتی ہیں۔ ذاتی طور پر بالائی

www.bhutto.org

سطح کے افسروں کی حیثیت کا انحصار پسند ناپسند پر ہے۔ انھیں اپنا مستقبل عدم یقینی کے بادلوں میں گھرا نظر آتا ہے۔ وہ ایسا عنصر ہیں جس کے لیے دفع الوقتی ہی میں بیش از بیش فائدہ ہے۔ چنانچہ نائب صدر کی طرح کا حل سب سے زیادہ انھیں بھاتا ہے۔

تختہ اُلٹنے اور انقلاب میں بہت فرق ہوتا ہے کیونکہ انقلاب کے ساتھ تو آورشوں کی حرکت و حرارت موجود ہوتی ہے اور اُسے آبادی کے بہت بڑے حصّے کی جاں نثارانہ تائید حاصل ہوتی ہے جب تختہ اُلٹ جاتا ہے تو اس لمحے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ سیاسی مسائل کی گرہ کشائی ہو گئی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ اس کا مقصد عوام کے حقوق کو بحال کرانا ہو۔ ورنہ انقلاب کے دعویداروں کو اُسی طرح کے قتلِ عام کی ترغیب ملنے لگتی ہے جیسا انڈونیشیا میں ہوا اور ظاہر ہے کہ اس سے پاکستان کچھ ہی دیر میں پارہ پارہ ہو جائے گا۔

جبر و استبداد کی کسی نئی لہر کے آتے ہی بیرونی خطرات اس درجے کو پہنچ جائیں گے کہ پاکستان ایک محصور قوم بن کر رہ جائے۔ پاکستان کے ہمسایوں کے علاقائی دعوے زندہ ہو جائیں گے اور اندرونی بے چینی بیرونی طاقتوں کے لیے پہلے تو اپنا اپنا دباؤ بڑھانے اور پھر خود قوم ہی کو تباہ کرنے کے مقصد سے سازش کرنے کا موقع فراہم کر دے گی۔

ملک کے پیچیدہ مسائل سے عہدہ برا ہونے کے لیے طاقت کے وحشیانہ استعمال پر انحصار کرنا گزشتہ دس سال کے مجموعی تجربے کے خلاف ہوگا۔ یہ اقدام ایک ایسے بحران پر قابو پانے کی ضرورت سے زیادہ سہل انگارانہ راہ پر چل نکلنے کے مترادف ہوگا جس کی جڑیں سیاسی اور اقتصادی بے چینی میں گڑی ہیں۔ پاکستان کے عوام پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ طاقت کے استعمال نے ان کی مشکلات میں اضافہ کیا ہے۔ قوم کے مسائل چونکہ نوعیت کے اعتبار سے سیاسی ہیں اس لیے ان کے دیرپا حل کا تقاضا سیاسی طرزِ عمل اپنا کر ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔

اگر کسی ملک پر فوجی لوگ حکمرانی کرتے ہوں تو اس صورتِ حال کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ملک فوجی اعتبار سے مضبوط ہے۔ ہتھیار فراہم کرنے والا کوئی بڑا ملک پاکستان کو پہلے سے زیادہ ہتھیار دینے میں دلچسپی نہ لے گا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، پاکستان کو

www.bhutto.org

امریکی فوجی امداد ملنے کی اوّلیں وجہ اندرونی تحفظ تھا۔ اس مقصد کے حصول کی سیدھی سادھی راہ یہ ہے کہ عوام کو دبایا جائے۔ لیکن خود امریکہ نے اس ضمن میں اپنا رویہ ایک حد تک بدل لیا ہے: اب اس کا مطالبہ یہ ہے کہ پاکستان بھارت کے ساتھ مل کر چین کے خلاف کنفیڈریشن بنائے یا بھارت کا حلیف بن کر رہے۔ کچھ دیر سے معاملات یہی رُخ اختیار کر رہے ہیں۔ اگرچہ پراپیگنڈا اس کے برعکس کیا جا رہا ہے۔

خوش قسمتی سے بحران جن سیاسی راہوں کو جنم دے سکتا ہے وہ حالات کو جُوں کا تُوں رکھنے اور ناگہانی انقلاب پر ہی ختم نہیں ہو جاتیں۔ ہمیں بقیہ تین راہوں کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔

(۳) پارلیمانی نظام کا فوری نفاذ۔

(۴) مقبولِ عام حکومت کے قیام کے لیے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک عبوری دَور۔

(۵) جمہوری نظام کے قیام کی خاطر دستوری ڈھانچے میں اصلاح۔

موجودہ صدارتی حکومت کی ناکامی اتنی واضح ہے کہ پارلیمانی نظام کی فوری بحالی کا خوگر سمجھ میں آتا ہے۔ البتہ یہ خیالِ خام ہے کہ ایسا کرنے کے لیے خود حکومت کوئی فرمان جاری کر دے گی۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو ۱۹۵۶ء کا دستور بحال کرنے کی رائے دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جس حکومت نے یہ دستور بنایا تھا وہ عوام کی نمائندہ نہ تھی۔ کسی بھی طرز کی جمہوری حکومت کے لیے لازم ہے کہ اُس کی بُنیاد عوام کے کھرے مشورے کے نتیجے پر قائم ہو۔ یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ چناؤ نظامِ حکومت کی صرف دو قسموں تک محدود نہیں ــــ موجودہ حکومت اور ۱۹۵۶ء کے دستور کے نمونے پر ڈھلی ہوئی پارلیمانی حکومت۔ وقت کے بہاؤ نے بنیادی نوعیت کے متعدد مسائل کو اُجاگر کر دیا ہے۔ دونوں بازوؤں کے باہمی تعلقات کے اہم مسئلے کے ساتھ ساتھ ظاہر ہے کہ ان میں اقتصادی انصاف کا سنگین مسئلہ بھی شامل ہے۔ بالفعل دستوری نقطۂ نگاہ سے دیکھیں تو جو بھی نظام رائج کیا جائے اس میں مرکزی سطح پر تعرض اور توازن کی اس حد تک گنجائش ہونی چاہیے کہ ایک طرف طاقت کسی ایک ہاتھ میں مرکوز ہو کر نہ رہ جائے اور دوسری طرف وہ اتنی منتشر بھی نہ ہو کہ غیر مؤثر ہو کر رہ جائے۔ اس مقام پر ہم ان گوناگوں مسائل کی تفصیل میں نہیں جائیں

www.bhutto.org

گے جن سے بالآخر کسی بھی دستور کے نفاذ سے پہلے عہدہ برا ہونا ضروری ہے تاکہ دستور ترقی پسندانہ اور جمہوری بھی ہو اور عوامی تائید کا نتیجہ بھی۔

وہ بہترین راہ جسے قابلِ عمل گردانا جا سکتا ہے یہ ہے کہ طے شدہ مقاصد کے تحت ایک مقبولِ عام حکومت قائم کرنے کے لیے ہم عبوری دور کو عبور کر جائیں۔ اور اس کا، چوتھی راہ کی شکل میں، ذکر آ چکا ہے ــــ مقبولِ عام حکومت کے قیام کے لیے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک عبوری دَور۔ اگر اس راہ پر گامزن ہو جائیں تو پانچویں راہ ــــ جمہوری نظام کے قیام کی خاطر دستوری ڈھانچے میں اصلاح ــــ خود بخود کھلتی چلی جائے گی کیونکہ عبوری دور کا یہی مقصد ہو گا کہ ملک کو ایک ترقی پسندانہ اور جمہوری دستور دیا جائے۔ یہ مقصد تیسری راہ اختیار کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا جس کے تحت پارلیمانی نظام کا فوری نفاذ ہونا چاہیے۔ موجودہ نظام میں اس میں کوئی گنجائش نہیں، جب کہ ۱۹۵۶ء کے دستور کی جانب پلٹنے سے صرف یہ ہو گا کہ جلد ہی ایک تازہ بحران جنم لے لے گا۔

عبوری دور کی اُٹھان کس نہج پر ہو گی، اس کا اندازہ اس لمحے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں بہت سی نزاکتیں مستور ہیں۔ عبوری دَور کے اگر کچھ معنی ہو سکتے ہیں تو یہ کہ اس کا آغاز بنیادی حقوق کی بحالی سے ہو ورنہ یہ محض فراڈ ہو گا جس کی سزا میں یا تو حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا یا خانہ جنگی چھڑ جائے گی۔ جب تک بنیادی حقوق بحال نہیں ہوتے وہ اپوزیشن لیڈر بھی برسرِ اقتدار گروہ سے سلسلۂ جنبانی قائم نہیں کر سکتے جو حکومت کی جانب مائل ہیں کیونکہ اس طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنے مطمحِ نظر کو خطرے میں ڈال لیں گے۔

امکانات یہ ہیں کہ جو حالت اس وقت ہے اس میں اساسی طور پر کوئی تبدیلی نہ آئے گی اور اندرونی اور بیرونی مشکلات بڑھتی چلی جائیں گی۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۹ء کا زمانہ آ جائے گا جب صدارتی انتخابات شروع ہوں گے۔ انتخابات کی خاطر زمین ہموار کرنے کے لیے حکومت میں تبدیلیاں کی جائیں گی جس میں انتظامیہ کے دائرے میں بے شمار تبادلے بھی شامل ہیں۔ لیکن یہ سارے ادل بدل بیکار ثابت ہوں گے۔ انتخابات کے وقت یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی کہ نہ تو وہ سرکاری افسر ہی، جو حکومت کی

www.bhutto.org

خاطر نت نئی چالیں چلتے رہتے ہیں، سیاسی خلا کو پُر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور نہ بیشتر موجودہ مرکزی اور صوبائی وزیر ہی عوام کی تائید حاصل کرنے میں کوئی مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ صوبوں پر حکومت کا اختیار کمزور پڑ چکا ہے اور جو مسائل اب عوام کی توجہ کا مرکز ہیں وہ گزشتہ انتخابات کے دور کے مسائل کی نسبت کہیں زیادہ ہیجان انگیز ہیں۔ ملک کے ہر حصے میں کبیدگی کی پھیلتی ہوئی لہر بالآخر انتخابی ادارے کو بھی ضرور متاثر کرے گی۔ اگرچہ بنیادی جمہوریت کا نظام تحفظِ نفس کا خفیہ ہتھیار ہے لیکن اس کے موجودہ ارکان کی جگہ زیادہ تر ایسے نوجوان لوگ لے لیں گے جنھیں اہل کار آسانی سے ڈرا دھمکا نہیں سکیں گے۔ فیصلہ کُن وقت آنے پر بہت سے ارکانِ اسمبلی اور سیاست دان جن کی آنکھیں کھل چکی ہوں گی، حکومت کا ساتھ نہ دیں گے۔

مسئلے کی اساس یہ ہے کہ موجودہ نظام کو ناگہانی انقلاب اور ہلاکت آفریں خانہ جنگی کی راہ اختیار کیے بغیر کیونکر منسوخ کیا جائے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر اقتصادی اور سماجی انصاف کے سوال کو نظر انداز کیا گیا تو پاکستان کی سالمیت نہ صرف خطرے میں پڑ جائے گی، بلکہ اس کا پارہ پارہ ہونا یقینی ہو جائے گا۔ تمام محبِ وطن لوگ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ سالمیت کے پارہ پارہ ہونے میں بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن کی عیاں و نہاں صورت بھی شامل ہے۔ کوئی بھی حکومت جو قومی سطح پر قابلِ قبول ہو اور عبوری دور یا دوسری صورت میں ۱۹۶۹ء کے انتخابات کے بعد برسرِ اقتدار آئے اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ترقی پسندانہ کردار کی حامل ہو۔ جب تک تبدیلی کا آغاز نہیں ہو جاتا تمام ترقی پسند طاقتوں کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی طرح ایک ترقی پسندانہ، جمہوری اور مساوات انگیز نظامِ حکومت قائم کرنے کی جد و جہد کرتی چلی جائیں۔

---

www.bhutto.org

گورنر مغربی پاکستان کو جواب

اس سال ہفتہ ۱۲ ستمبر کو حیدرآباد میں پاکستان پیپلز پارٹی کی ایک کنونشن منعقد ہوئی۔ اس موقع پر جن عوام نے میرا فتح مندانہ خیر مقدم کیا اُن کا بے اختیار جوش و خروش قابلِ دید تھا۔ کنونشن بے حد کامیاب رہی۔ وُہ ہر اعتبار سے سرزمین پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ قرار پانے کی مستحق تھی۔ اس کے باوجود لاہور کے روزنامہ "نوائے وقت" کے سوا ملک کے دیگر اخبارات نے، جن کی اکثریت پر حکومت کا براہِ راست کنٹرول ہے، اس کنونشن کا ذکر تک نہ کیا۔

اس کنونشن کے موقع پر میں نے جو کچھ کہا ہوگا آخر اس کی کچھ تو اہمیت ہوگی کہ گورنر محمد موسیٰ کو، میرا نام لیے بغیر، اپنی ایک طول طویل سلسلہ بند تقریریں، ۱۱ اکتوبر کو، مجھ پر حملہ کرنے کی زحمت اٹھانی پڑی جو تمام اخبارات میں من و عن شائع ہوئی۔ پاکستان کے ہزاروں افراد کو پہلے پہل اسی طرح یہ معلوم ہُوا کہ کئی ہفتے قبل میں نے حیدرآباد میں ایک تقریر کی تھی جس نے حکومت پر ایسی زبردست بدحواسی طاری کر دی ہے کہ گورنر مغربی پاکستان تک، بطور تریاک، تقریر داغے بغیر نہیں رہ سکے۔ مگر لوگوں کو اخبارات کے ذریعے میری حیدرآباد کی تقریر کے اصل مندرجات سے آگاہ نہ ہونے دیا گیا کیونکہ اگر وہ جانتے تو خود ہی موسیٰ صاحب کو جھٹلا دیتے۔

گورنر موسیٰ صاحب کو گلہ ہے کہ میں اپنے سیاسی حریف پر اس کی پیٹھ پیچھے حملہ کرتا ہوں۔ حیرت ہے کہ انہیں یہ گلہ مجھ سے ہے۔ ہمارے لیے جو حزبِ اختلاف میں ہیں اور خاص طور پر پاکستان پیپلز پارٹی کے لیے، پریس کے دروازے بند ہیں، ریڈیو کے دروازے بند ہیں اور ہم تشہیر کے ہر ذریعے سے محروم ہیں۔ جو ہم کہتے ہیں اُسے سامنے نہیں آنے دیا جاتا، لیکن ہم پر جو اتہامات لگائے جاتے ہیں اور ہمیں جن گالیوں سے نوازا جاتا ہے ان کی نمایاں تشہیر کی جاتی ہے۔ اِس تعصب آمیز

www.bhutto.org

تنگ نظری کی زندہ مثال مُوسیٰ صاحب کی اپنی تقریر ہے۔ میں یقیناً دُو بدُو بحث کے موقع کا خیر مقدم کروں گا ——

موسیٰ صاحب کو چاہیے کہ وہ اسی سٹیج سے عوام کو خطاب کریں جس سے میں کروں اور ثابت کر دکھائیں کہ وہ اپنے حریف کا سامنا جمہوری آداب و اقدار کے مطابق کر سکتے ہیں لیکن میں ان سے ایک اور درخواست ضرور کروں گا کہ اگر اس روز موسم اُسی طرح گرم ہو جس طرح کہ میری حیدر آباد کی تقریر کے دوران میں تھا اور میں کوٹ اُتار دُوں تو وہ بُرا نہ مانیں گے۔ وہ بلا تکلف اپنا کوٹ پہنے رکھیں، بلکہ اس کے اُوپر اگر وہ اوورکوٹ بھی پہن لیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

اس اسلامی جمہوریہ کے ایک صُوبائی گورنر صاحب بڑی نفرت سے فرماتے ہیں کہ حیدر آباد میں جن سامعین سے میں نے خطاب کیا وہ تانگے والوں، رکشا ڈرائیوروں اور مزدوروں پر مشتمل تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس اجتماع میں مزدوروں اور کسانوں کی بھاری تعداد موجود تھی اور میں اس بات پر نازاں اور خوش ہوں۔ جن عوام کو گورنر نے اس نفرت سے یاد کیا ہے وُہی تو میری متاعِ عزیز ہیں، یہی عوام تو میری اصل طاقت ہیں اور میرے تصوّر میں ایک مفلس اور غریب پاکستانی کی زندگی رُسوائے زمانہ بنیئے خاندانوں کی تمام تر دولت سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس ملک کے عوام اس لیے میرے حامی ہیں کہ میری پارٹی کے اقتصادی مقاصد مساوات کے اصُول پر مبنی ہیں اور ہر طبقے کو محیط ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ کنونشن میں سامعین کا اجتماع مخصوص سرکاری حکام، سادہ کپڑوں میں ملبُوس پولیس کے ملازمین، مبیّنہ دانشوروں اور جبری طور پر بادلِ ناخواستہ آنے والے بدنصیبوں کے اس اجتماع سے یکسر مختلف تھا جس سے موسیٰ صاحب نے حیدر آباد میں اس لیے خطاب کیا تھا کہ اُنہیں رطب و یابس کا ایک پشتارہ مقبُوضہ پریس میں چھپوانے کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔

مُوسیٰ صاحب نے ہرگز ہرگز دشنام آمیز القابات سے اجتناب نہیں کیا۔ اُنہوں نے سیاسی مردُودوں کا ذکر کیا ہے جس سے اُن کی مُراد حزبِ اختلاف کے قائدوں اور

www.bhutto.org

شاید سب سے بڑھ کر مجھ سے ہے۔ کیا سیاسی مردُود دوں سے اُن کی مراد اُن افراد سے ہے جن سے عوام کو نفرت ہے، جو سیاسی حقوق کی بحالی کے مخالف ہیں، جو جبر و استبداد کے سہارے حکمرانی کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو وہ خود حکومت کے عہدیداروں کی مذمت کرنے لگیں گے۔ نہیں، سیاسی مردُودوں سے ان کی مُراد اُن سے ہے جو سیاسی حقوق کے لیے، اظہار و اجتماع کی آزادی کے لیے، انسانی وقار کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی بدعنوانیوں اور اختیار کے ناجائز استعمال کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ ان کی دانست میں سیاسی مردُود وہ لوگ ہیں جنہیں عوام کا اعتماد اور ان کی محبت حاصل ہے اور جو اسی باعث حکومت کی تیغِ ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

مُوسیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ بعض افراد ایسے ہیں جن کا واحد مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اقتدار پر قبضہ کرلیں۔ ان کا اشارہ کس کی طرف ہے؟ کیا جو لوگ آج اقتدار سے چمٹے ہوئے ہیں یہ وہی نہیں جنہیں اقتدار کی ہَوس تھی اور جو بندُوق دکھا کر اقتدار پر قابض ہو گئے اور اب پُوری قوم کی خواہشات کے خلاف کسی قیمت پر بھی اقتدار سے علیٰحدہ ہونے کے لیے تیار نہیں؟ ان لوگوں کی ڈھٹائی ملاحظہ ہو کہ اپنے استبداد اور اندھیر نگری کا دس سالہ جشن منا رہے ہیں۔ پاکستان کے لوگو! اپنے گم گشتہ سالوں کا نوحہ کرو۔

اقتدار کے پجاری وہ لوگ نہیں جنہوں نے اصُولوں کی خاطر، قومی مفادات کی خاطر، اقتدار کو خیر باد کہہ دی، بلکہ وُہ لوگ ہیں جو ایک مرتبہ برسرِ اقتدار آگئے اور اب، خواہ قوم تباہ و برباد ہو جائے، اقتدار سے دستکش ہونے کو تیار نہیں۔

اس بے اصُول حکومت کے ایک ترجمان کے منہ سے اصُولوں کا تذکرہ سُن کر اچنبھا ہوتا ہے۔ اس کے باوجُود کہ یہ لفظ ان کے منہ پر چڑھا ہوا ہے موجودہ ارکانِ حکومت کی کوئی آئیڈیالوجی نہیں کیونکہ اُنہوں نے وہ اصُول ترک کر دیے ہیں جو انہیں ورثے میں ملے تھے۔ یوُں پاکستان میں جمہوریت کی رُوح فنا کر کے رکھ دی گئی ہے، بلکہ جمہوریت کے لفظ کی بھی حکومت کی ایجاد کردہ بنیادی جمہوریت کے حوالے سے دیدہ و دانستہ مٹی پلید کی جا رہی ہے۔ پھر وہ قومی حاکمیت اور حقِ خود ارادیت پر سمجھوتہ بازی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ نظریۂ پاکستان کو دفنا کر وہ محض دو

www.bhutto.org

سینے کے لیے حکمرانی کر رہے ہیں۔

ان کے برعکس ہمارے اصول الم نشرح ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے نظریات واشگاف ہیں۔ انہیں اجمالاً یوں بیان کیا گیا ہے :۔

اسلام ہمارا دین ہے
جمہوریت ہماری سیاست ہے
سوشلزم ہماری معیشت ہے

ہمارا ایک سیاسی پروگرام ہے جس کا مزاج جمہوری اور سوشلسٹ ہے۔ لیکن اس کے برعکس حکومت کے مبہم فلسفے کی حد لوٹ مار، استحصال اور چند چہیتے ہاتھوں میں دولت کے تباہ کن ارتکاز تک ہے۔

موسیٰ صاحب کا گمان ہے کہ اندرونی خلفشار کے پیچھے کچھ شیطان صفت سازشیوں کا ہاتھ ہے۔ نہیں، یہ خلفشار حکومت کی اپنی کارروائیوں اور پالیسیوں کا کرشمہ ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے قبائلی منافرت کو ہوا دی ہے۔ انہوں نے زبان کے مسئلے کو پھر سے چھیڑ دیا ہے حالانکہ یہ کل تک سب کے نزدیک ایک طے شدہ مسئلہ تھا۔ اب اس مسئلے نے دوبارہ سر اٹھا لیا ہے اور ایسے جذبات ابھار دیے ہیں کہ انہیں آسانی سے فرو کرنا محال ہو جائے گا۔

حکومت جس طرزِ نگاہ سے معاملات کا جائزہ لیتی ہے وہ نسلی تعصبات کا حامل ہے کیونکہ حکومت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ حکمرانی اُن کا مقدر ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو علاقائی عصبیت کو ہوا دے کر اور دونوں بازوؤں کے درمیان اختلافات بھڑکا کر قومی اتحاد کو کمزور کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل چھ نکات کے مطالبے کا کبھی سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا، نہ کسی نے جئے سندھ کا نعرہ سنا تھا۔ ان کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل عظیم تر بلوچستان کی بات بھی نہ چلی تھی اور نہ پختونستان کے مطالبے کا احیاء ہوا تھا۔ ان کا دس سالہ دورِ اقتدار پنجاب کے لیے مایوسی اور کراچی کے لیے نامرادی لایا ہے کہ جہاں کبھی، کربلا کی طرح، پانی نہیں ملتا اور کبھی شکر جیسی بنیادی شے صرف

www.bhutto.org

عنقا ہو جاتی ہیں۔ سندھ اور بلوچستان مضطرب ہیں۔ بنگال کشیدہ خاطر ہے۔ اور سرحد میں حکمرانوں کے مٹھی بھر حواریوں نے لوٹ مچا رکھی ہے۔ ان کے جبر نے اندرونی منافرتیں اور خصومتیں پیدا کر کے لوگوں میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ حکومت چونکہ مساویانہ شرکت میں ایمان نہیں رکھتی، بلکہ مراعات کی قائل ہے۔ اس لیے وہ ایک ایسی قوم میں افہام اور ہم آہنگی نہیں اُجاگر سکتی جس کے باشندے مختلف زبانیں بولتے ہیں، مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور علاقائی روایات اور رسوم سے وابستہ ہیں۔

مُوسیٰ صاحب کے خیال میں میری سب سے بڑی تقصیر یہ ہے کہ میں سوشلسٹ ہو کر حزبِ اختلاف کی صفوں میں اتحاد کو فروغ دینے میں کوشاں ہوں۔ مجھے تسلیم ہے کہ میں اس کوشش سے کبھی غافل نہیں رہا۔ لیکن میری اس کوشش میں کچھ اور لوگ بھی میرے شریک حال ہیں۔ اپوزیشن پارٹیوں کو حکومت کے خلاف کسی متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش صرف میں ہی نہیں کر رہا۔ میں کھلے بندوں اعلان کر چکا ہوں کہ تمام اپوزیشن پارٹیاں ایک مشترکہ نصب العین پر سر جوڑ کر کام کر سکتی ہیں جو بالغ رائے دہی کی بحالی، بُنیادی حقوق اور جمہوری آزادی پر مشتمل ہو گا۔ میری جماعت کے اصُولوں کا کسی طرح بھی اس نصب العین سے ٹکراؤ نہیں۔ ——— اور ان اصُولوں کی نگہداشت بہرحال مُوسیٰ صاحب کے ذمّے نہیں ———

اپوزیشن پارٹیوں کے متحدہ محاذ کے بارے میں میرا تصوّر بہت سے ملکوں میں مخصوص آمریتوں کے خلاف بُروئے عمل آ چکا ہے اور کاروبارِ سیاست کی جانی پہچانی ریت ہے۔ خود پاکستان کی ۲۱ سالہ تاریخ میں ایک متحدہ محاذ ۱۹۵۴ء اور دُوسرا حال ہی میں، گزشتہ صدارتی انتخابات کے دوران وُجود میں آ چکا ہے۔ میں پاکستانی عوام کی جانب سے اس بات کو اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ عوام کی حاکمیت بحال کرنے کے مشترکہ مقصد کے لیے دُوسری جماعتوں کے ساتھ اتحاد قائم کروں۔

جہاں تک "جاگیرداروں" سے میرے روابط کا تعلق ہے اور جن کے بارے میں مُوسیٰ صاحب کا خیال ہے کہ میرے اصُولوں کے منافی ہیں، میں اُن کی توجہ اس حقیقتِ حال کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جو صُوبے کے گورنر کے طور پر اُن سے ڈھکی چھپی نہ ہونی چاہیئے کہ

www.bhutto.org

بہت سے "جاگیرداروں" کے سیاسی عقائد انتہائی ترقی پسندانہ ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ان عقائد ہی کے باعث اس حکومت کے ہاتھوں مصیبتیں سہہ چکے ہیں۔ اس میں ان کا کیا قصور کہ وہ جاگیردار گھرانوں میں پیدا ہو گئے۔ ہر کوئی اتنا خوش نصیب تو نہیں ہو سکتا کہ وہ نادار گھرانے میں پیدا ہو اور اتنی دولت اور اختیار سمیٹ لے کہ اس حکومت میں جاگیرداروں کو بھی میسر نہ آئے۔ مثال کے طور پر میں گورنر موسیٰ کی توجہ، سردار کے خطاب کا تو ذکر ہی کیا، شہزادے اور نواب جیسے خطابات کے استعمالِ بے جا کی جانب دلانا چاہتا ہوں جسے حکومت ایک پالیسی کے طور پر روا رکھ رہی ہے۔ موجودہ حکومت کے یہاں جاگیرداروں کا ایک نیا طبقہ پیدا کرنے کا ٹھوس اور واضح رجحان پایا جاتا ہے۔

موسیٰ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ "میرا تازہ ترین مشیر اس علاقے کا وہ عظیم دانشور ہے جسے ہائی کورٹ نے پاکستان کا غدار قرار دیا ہے"۔ مجھے یہ حُسنِ ظن ہے کہ موسیٰ صاحب لفظ مشیر کے معنی جانتے ہیں چنانچہ اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ مجھے کسی مشیر کی ضرورت نہیں میرے اردگرد پارٹی کے ایسے مخلص کارکن موجود ہیں جنہیں میں ہم خیال و ہم مشرب رفقائے کار سمجھتا ہوں۔ سوشلسٹوں کو نحیف و نزار شخصیتوں اور ناموں کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ــــ ایسے راسپوٹین اربابِ اقتدار کو مُبارک رہیں۔

اس حکومت کے ترجمانوں کو میرا بعض لوگوں سے ملنا جلنا نہ جانے کیوں قابلِ اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ خود اس حکومت نے حال ہی میں اپنے حواریوں کے انتخاب کے ضمن میں کس کردار کا مظاہرہ کیا ہے؟ جب یہ حکومت برسرِ اقتدار آئی تو اس نے سیاست دانوں کو بدمعاشوں کا خطاب دیا۔ ان کی بدعنوانیوں اور دوسرے گناہوں کا ڈھول پیٹا اور ایبڈو کے تحت ان میں سے اکثر کو سیاسی زندگی سے محروم کر دیا۔ ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر ایوب نے قوم کے نام اوّلین نشریے میں یہ کہنا مناسب سمجھا تھا:

"جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ ابتر حالات اُن
خود غرض لوگوں نے پیدا کیے ہیں جو سیاسی
قائدوں کے لبادے میں لوگوں کو لوٹتے رہے

www.bhutto.org

یا ذاتی فائدوں کی خاطر سودا بازی کرتے رہے۔ اُن میں سے بعض یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ انہیں دعویٰ تھا کہ پاکستان انھی کی تخلیق ہے اور بعض ایسے تھے جو پاکستان کے تصور ہی کے خلاف تھے۔ اُنہوں نے کھلے بندوں اس کی تباہی کی کوشش کی یا اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اس کے مسائل کو اُلجھانے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ ان لوگوں کا مقصد ذاتی نام و نمود یا ہوسِ اقتدار کے سوا کچھ نہیں۔

اب ایک بات انتشار پسندوں، سیاسی طالع آزماؤں سمگلروں، کالے چوروں اور اسی قماش کے دیگر سماجی کیڑوں، شارکوں اور جونکوں سے کہنی چاہتا ہوں۔ سپاہی اور عوام تمہاری شکل تک سے بیزار ہیں۔ لہٰذا تمہاری صحت کے لیے اچھا ہوگا کہ تم اپنے لچھن دُرست کر لو، ورنہ تمہارا حساب جلد اور یقینی طور پر چکا دیا جائے گا۔ بہرحال ان لوگوں کو اس مغالطے میں نہیں رہنا چاہیئے کہ ہم اُن سے غافل ہیں — ہماری انتھک کوشش ہوگی کہ جتنی جلدی ہو سکے ان کی گردن دبوچ لیں۔"

لیکن وقت کے ساتھ ساتھ صورتِ حال بدلتی گئی۔ حکومت ایڈوزدہ سیاستدانوں سے پینگیں بڑھانے یا انہیں اُونچے اُونچے عہدے دینے لگی۔ ایک ایڈوزدہ سیاستدان جس کے خلاف ترمناک جرائم کے سب سے زیادہ شدید الزامات لگائے گئے تھے اب موسیٰ صاحب کی کابینہ کا رُکن ہے۔

www.bhutto.org

یہ حکومت جس کسی کو ناپسند کرتی ہے اُسے کھڑے کھڑے غدار قرار دے دیتی ہے۔ وہ لوگ جو پس پردہ رہ کر جوڑ توڑ کیا کرتے تھے اور اب حکومت میں شامل ہیں اُنہوں نے فضل الحق کو بھی غدار قرار دیا تھا لیکن بعد ازاں اُسے وزیر بنا دیا۔ وہ سہروردی کو بھارتی شہری اور غدار قرار دیتے تھے لیکن اسے وزیر اعظم کے عہدے پر فائز کر دیا۔ اس حکومت نے وطن دشمن سرگرمیوں کے الزام میں خان قلات کو قید کیا، لیکن اب وُہ موسیٰ صاحب کے مشیر ہیں —

اس حکومت کی لُغت میں کاسہ لیسوں کو محب وطن اور مخالفوں کو غدار کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہمیں بخوبی علم ہے۔ پاکستان کے عوام کی بھاری اکثریت اس حکومت کے خلاف ہے۔ کیا یہ سب بھی غدار ہیں۔

موُسےٰ صاحب نے میرے متعلق کہا ہے :

"یہ شخص اُن لوگوں سے ربط و ضبط رکھتا ہے
بلکہ اُن کی قانونی پیروی کرنے کو بھی تیار ہے جن
پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا منصوبہ بنانے کا الزام
ہے اور جن پر آج کل مقدمہ چل رہا ہے۔"

مُوسیٰ صاحب نے شیخ مجیب الرحمٰن اور مبینہ اگرتلہ سازش کیس کے دُوسرے ملزمین کی جانب یہ اشارہ کر کے صریحاً توہینِ عدالت کا ارتکاب کیا ہے اور کاروبارِ عدل کو بُری طرح متاثر کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہیں قانون کے بنیادی اصُولوں کی خبر ہونی چاہیئے کہ جب تک کسی شخص کا جُرم ثابت نہ ہو جائے اُسے معصوم سمجھا جاتا ہے — لیکن مُوسیٰ صاحب دیدہ و دانستہ اس اصُول کی خلاف ورزی کر رہے ہیں — عدالت میں ایک وکیل کی حیثیت سے میری حاضری میرے اس عقیدے کے ذرا بھی منافی نہیں کہ ہمیں بھارت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے — یہ اتنی معمولی بات ہے کہ سمجھ میں نہیں آتی تو شاید موسیٰ صاحب کے نہیں آتی۔

مُوسیٰ صاحب نے کینیڈی مارکیٹ کے ضمن میں جو کچھ میرے متعلق فرمایا ہے۔ وُہ

www.bhutto.org

یکسر غلط ہے۔ یہ معاملہ بھی چونکہ عدالت میں زیرِ غور ہے اس لیے میں فی الحال اس پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔ عدالت ہائے انصاف کے بارے میں مُوسیٰ صاحب کے غیر مناسب رویّے کی یہ ایک اور مثال ہے۔

ون یونٹ کے مسئلے پر میرے مؤقف میں کوئی تضاد نہیں۔ میں نے بالکل صاف صاف کہا ہے کہ دُوسرے دستوری معاملات کی طرح اس کو بھی عوام کے جمہوری فیصلے کے مطابق طے پانا چاہیئے نہ کہ کسی آمر کے من مانے فرمان سے۔ اگر یہ حکومت ون یونٹ کی عظیم محافظ ہونے کی دعوٰی دار ہے تو اس میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیئے کہ لوگوں کو بتائے کہ ۱۹۶۱ء میں جنرل کے۔ ایم۔ شیخ کے تحت اس نے جو بالا اختیار کمیٹی مقرر کی تھی اس کی غرض و غایت کیا تھی۔ حکومت کے جن ترجمانوں نے مسندِ اقتدار کے گرد اک رفیع الشان شیشے کا گھر تعمیر دیا ہے انہیں دُوسروں پر پتھر پھینکنے سے پہلے گریبان میں جھانک لینا چاہیئے۔

مُوسیٰ صاحب کی حکومت جس نے یونیورسٹی آرڈی نینس کے ذریعے طالب علموں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی ہیں، ہرگز یہ دعوٰے نہیں کر سکتی کہ وہ اُن کے ساتھ مُلک کے آئندہ رہنماؤں کا سا سلوک کر رہی ہے۔ میرا ہمیشہ سے یہ موقف ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوان ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔ انہیں مستقبل کی قیادت کے لیے تیار کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان پر اعتماد کیا جائے نہ کہ انہیں دبا دیا جائے۔ ملک کے نوجوان جانتے ہیں کہ اپنے حامیوں اور اپنے حقوق کے غاصبوں کے درمیان کیونکر امتیاز کریں۔ وُہ مُوسیٰ صاحب کے اتہامات سے گمراہ نہیں ہوں گے۔

مُوسیٰ صاحب پوچھتے ہیں کہ میں ۱۹۶۵ء میں کہاں تھا اور محاذِ جنگ پر کیوں موجود نہ تھا۔ میں یقیناً وہیں تھا جہاں مجھے ہونا چاہیئے تھا۔ میں ملک کے وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے پاکستان کے لیے بین الاقوامی تائید حاصل کرنے میں کوشاں تھا۔ کیونکہ بحران کے لمحات میں یہی میرا سب سے اہم فریضہ تھا۔ چین، انڈونیشیا، ایران اور ترکی کے ساتھ اہم مذاکرات میرے سپرد تھے۔ میں کوئی پیشہ ور سپاہی نہیں۔ میں وہ کام کر رہا تھا جو مجھے سونپا گیا تھا اور جس کے لیے میں جواب دِہ تھا۔

www.bhutto.org

کیا موسیٰ صاحب دشمن پر مشین گن سے گولیاں چلا رہے تھے یا اُن پر دستی بم پھینک رہے تھے۔ وہ ایک پیشہ ور سپاہی ہیں لیکن کمانڈر انچیف کی حیثیت سے وہ اس مقام پر تھے جہاں کمانڈر انچیف ہوتا ہے اور یہ مقام محاذِ جنگ پر نہیں ہوتا۔ میں اس مقام پر تھا جہاں مجھے وزیر خارجہ کے طور پر ہونا چاہیئے تھا۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے میرا فرض تھا کہ بین الاقوامی حمایت حاصل کروں اور یہ کام اس حد تک انجام پایا کہ جنگ کے دوران وزیر اعظم شاستری نے رونا دھونا مچا دیا کہ بھارت بے یار و مددگار رہ گیا ہے۔ پاکستان کے سنگین ترین بحرانی لمحات کے دوران میں نے جو خدمات انجام دیں قوم نے اس کا نہایت فیاضی سے انتہائی والہانہ انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران میں نے جو کردار ادا کیا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے بین الاقوامی پریس اور غیر ملکی نشریات کی ایک جھلک کافی ہے۔

انہیں شکایت ہے کہ میں نے وزارتِ امورِ خارجہ کی قائم کردہ ایک خاص کمیٹی کے اجلاس میں شرکت نہ کی۔ جس کمیٹی کا وہ ذکر کر رہے ہیں وہ سیکرٹریوں کی سطح پر تھی اور جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا وزارتِ خارجہ کا سیکرٹری اس میں شرکت کرتا رہا۔ وزارتِ دفاع کی جانب سے جنرل موسےٰ اس لیے شریک ہوتے کہ وہ کمانڈر انچیف تھے، وزیرِ دفاع نہیں تھے۔ وزیر کی حیثیت سے میرے ذمے یہ کام نہیں تھا کہ میں سیکرٹریوں کے اجلاس میں شرکت کروں جس کی سفارشات بالآخر اس کابینہ کے سامنے پیش ہونی تھیں جس کا میں رکن تھا۔ امورِ خارجہ کے وزیر کی حیثیت سے مجھے یہ موقع ملا کہ میں موسیٰ صاحب کی اوٹ پٹانگ سفارشات کو کابینہ میں مسترد کرا سکوں۔ حکومت میں اتنے سال کاٹنے کے بعد موسیٰ صاحب کو کاروبارِ حکومت کے قواعد و ضوابط کا بخوبی علم ہو جانا چاہیئے تھا۔ اگر یہ نکتہ اب بھی اُن پر واضح نہیں ہوا تو انہیں اپنے سیکریٹریٹ سے کہنا چاہیئے کہ اس پر روشنی ڈال دے۔

اُن کا یہ الزام کہ میں نے کشمیر کے مسئلے پر بے تعلقی برتی اس قدر فضول ہے کہ اس کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ کشمیر کے مسئلے پر اس حکومت کا ریکارڈ اس قدر افسوسناک اور اس کا موقف اس قدر کمزور ہے کہ وہ ایک ایسے شخص پر انگشت نمائی کی جرأت نہیں کر سکتی

www.bhutto.org

جس نے جموں اور کشمیر کے عوام کے حقِ خود ارادیت پر ایک مستحکم مؤقف کو اپنایا اور ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی پالیسی پر سختی سے کاربند رہا جسے اس حکومت نے میرے حکومت سے الگ ہوتے ہی اپنی کمزوری کے باعث ترک کر دیا۔

گورنر مُوسے کہتے ہیں کہ جب جنرل اسکندر مرزا اقتدار سے محروم ہو گئے تو میں نے اُن سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ اپنی وزارت کے دوران میں نے کبھی ایسا نہیں کیا، بلکہ جب بھی میں لندن سے گزرا میں اکثر انہیں سلام کرنے کے لیے جاتا رہا اور میں واحد وزیر تھا جس کا یہ شیوہ تھا۔ مُوسیٰ صاحب کو خود جنرل اسکندر مرزا سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا میں نے اُن سے بے وفائی کی یا مُوسیٰ صاحب اور دُوسروں نے اُن کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔

سپاس گزاری اور وفاداری کی بات چل نکلی ہے تو میں موسیٰ صاحب کے بارے میں بھی چند باتیں کہہ سکتا ہوں۔ خاص طور پر انہیں وُہ مواقع یاد کرنے چاہئیں جب وہ میرے پاس یہ درخواست لے کر آیا کرتے تھے کہ کمانڈر انچیف کے طور پر ان کے عہدے میں توسیع کے لیے اپنا اثر و رسُوخ استعمال کروں۔ مُوسیٰ صاحب کو یہ بھی یاد ہو گا کہ جب عہدے میں توسیع کے بجائے اُنہیں کسی ملک کا سفیر مقرر کر دیا گیا تو اُنہوں نے کس قدر تند و تلخ باتیں کی تھیں ــــ مجھے یہ باتیں محض اس لیے کرنی پڑ رہی ہیں کہ اُنہوں نے میرے لیے اور کوئی چارۂ کار نہیں چھوڑا ــــ لیکن میں اس ناخوشگوار موضوع کے بارے میں ، ان ہی باتوں پر اکتفا کرتا ہوں ــــ

مُوسیٰ صاحب نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں نے بعض دفاعی راز فاش کر دیے ہیں۔ میں نے کوئی راز فاش نہیں کیا۔ اگر میں نے ایسا کیا ہے تو اُن میں یہ واضح کرنے کی جرأت ہونی چاہیئے کہ میں نے کون سا خاص دفاعی راز فاش کیا ہے۔ یہ کہنے سے کوئی دفاعی راز فاش نہیں ہوتا کہ ایک مرتبہ جب میں عوامی جمہوریہ چین سے اپنے منصب کی ادائیگی کے بعد لوٹا اور نتائج کے بارے میں صدر صاحب کو رپورٹ دی تو وہ اپنی کرسی سے اُچھل پڑے اور مجھ سے بغلگیر ہو کر کہا کہ قوم ہمیشہ تمہاری احسان مند رہے گی ــــ گویا پاکستان کے عوام کو یہ پتا ہی نہیں کہ میں کبھی چین بھی گیا تھا۔

www.bhutto.org

جب حکومت کے ترجمان مجھ پر حملہ کرنا اور کیچڑ اچھالنا چاہتے ہیں تو انہیں ذرا فکر نہیں ہوتی کہ کیا کیا سرکاری راز فاش کر رہے ہیں اور موسیٰ صاحب نے تو اپنی حیدرآباد کی تقریر میں بار بار ایسا کیا ہے۔ لیکن وہ میرا یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ میں اپنے موقف اور وقار کا تحفظ کر سکوں۔ جب میں ان لوگوں کا پول کھولتا ہوں تو وہ چیخ اٹھتے ہیں کہ میں نے دفاعی راز فاش کر دیا ہے۔

اگر انہیں دشمن پر راز افشا ہونے کے خطرے کے ذکر پر اتنا ہی اصرار ہے تو انہیں یاد کرنا چاہیئے کہ صدر صاحب کا وزیر خزانہ ایک بیرونی طاقت کا ملازم تھا۔ یہ شخص جسے تمام قواعد و ضوابط اور عقل سلیم کے تحت اوّل درجے کا دفاعی خطرہ قرار دیا جانا چاہیئے تھا ملک کے شدید ترین بحرانی دور میں بھی خصوصی نوازشات سے بہرہ ور رہا۔ گو کہنے کو اور بھی بہت کچھ ہے لیکن میں فی الحال اس سے زیادہ کچھ نہ کہوں گا۔

میں نے عہدے کا حلف بھی نہیں توڑا، لیکن موسیٰ صاحب جو مجھ پر اس کا الزام دھرتے ہیں انہوں نے ۱۹۵۸ء میں نہ صرف اپنے عہدے کا حلف توڑا تھا بلکہ اس دستور ہی کو ختم کر دیا تھا جس کی وفاداری کی انہوں نے قسم اٹھا رکھی تھی۔

بہرحال یہ بات واضح ہونی چاہیئے کہ دفاعی رازوں کے افشا اور عہدے کا حلف توڑنے کے الزامات کی تہہ میں کیا ہے۔ رازوں اور عہدوں کے حلف کے تحفظ سے حکومت کو کھلی چھٹی نہیں مل جانی چاہیئے کہ وہ انہیں ایسے لبادۂ ظلمت کے طور پر استعمال کرے جو ان کی عہد شکنیوں اور عوام کے حقوق کو غصب کرنے والی کارروائیوں کو ڈھانپ لے۔ اگر کوئی اختیار کے ناجائز استعمال اور عہدوں کے تجاوزات کے خلاف احتجاج کرے تو اسے سرکاری رازوں کے افشا کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

دفاعی رازوں اور عہدے کے حلف کے بارے میں حکومت کا تصور یہ ہے کہ اہل وطن کے ہونٹوں کو سی دیا جائے۔ حالانکہ اس کے اپنے نمائندین بھارت کے ساتھ حل طلب تنازعات کے تصفیے کے لیے غیر ملکیوں کے ساتھ طرح طرح کے ترغیب آمیز تھنکنڈوں پر گفتگو کرتے ہوئے ہر طرح کی معلومات ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ قریب قریب تین سال قبل جب میں نے وزارت چھوڑی، تو میں کوئی ملکی راز فاش کیے بغیر، ایسے انکشافات کر سکتا تھا جس سے حکومت کی بنیادیں

www.bhutto.org

ہل جاتیں۔ میں محض اس لیے خاموش رہا کہ اُس وقت جو حالات کارفرما تھے۔ ان میں پاکستان کے دشمنوں کو اس اقدام سے بہت فائدہ پہنچتا۔ تین سال بیت گئے ہیں اور صورتِ حال بہت بدل گئی ہے۔ اب عوام کا مفاد اس میں ہے کہ بعض انکشافات کر دیے جائیں۔ کیونکہ اب ان انکشافات سے کوئی غیر ملکی طاقت فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ اگر حقائق ہمیشہ راز میں رہا کرتے تو تاریخ کا نام و نشان ہی نہ ہوتا۔

تاشقند کے بارے میں کچھ کہنے اور اس مسئلے کے اندرونی راز فاش کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حیدر آباد کی کنونشن میں میں نے کہا تھا کہ میں تاشقند اور اس کے معاہدے کی تفصیلات کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔ موسیٰ صاحب نے مجھ پر یہ غلط الزام لگا کر کہ میں نے تاشقند کا مسودہ تیار کیا تھا، خود افشائے راز کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ جانی پہچانی بات ہے اور اس نوعیت کی کانفرنسوں کا عام دستور ہے کہ جو لوگ تالثی کی پیش کش کرتے ہیں ـــــ اس معاملے میں یہ منصب سوویٹ رُوس کا تھا جس کے زیر اہتمام تاشقند کانفرنس منعقد ہوئی تھی ـــــ وہی مذاکرات کی اساس کے طور پر ایک مسودہ پیش کرتے ہیں۔ میں نے ابھی تک اس ضمن میں کوئی بیان نہیں دیا کہ اس مسودے کے بارے میں میرا ردِ عمل کیا تھا اور نہ ہی میں نے مذاکرات کے انداز پر اور معاہدے کی انجام دہی پر زبان کھولی ہے۔

کیا حکومت کی یہ نیت ہے کہ تاشقند کی بلاخیز پٹاری کا ڈھکنا اُٹھا دیا جائے؟ خواجہ شہاب الدین نے فروری ۱۹۶۷ء میں ڈھاکے کے مقام پر اس نزاع کی ابتدا کی تھی۔ اُنہوں نے میرے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ چھوڑا کہ میں اُن کی للکار پر لبیک کہوں اور اس مسئلے کے تانے بانے کو زیرِ بحث لے آؤں لیکن وہ پسپا ہو گئے۔ کیوں کہ انہیں حکومت کے موقف کی کمزوری کا بخوبی احساس ہو گیا تھا۔ کیا حکومت نے اپنی لاجواب دانش مندی سے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس معاہدے نے جو زخم لگائے تھے اُنہیں پھر سے ہرا کر دیا جائے۔ اگر حکومت اِس مسئلے کو پھر سے اُٹھانے کی خواہاں ہے تو نتائج کی تمام تر ذمہ داری اس کے کندھوں پر ہو گی۔

جب میں اس بات پر اصرار کرتا ہوں کہ میری رائے میں تاشقند میں قوم کے مفادات

www.bhutto.org

کو نقصان پہنچا، تو میں کسی راز سے پردہ نہیں اُٹھا رہا ہوتا۔ گزشتہ تین سال کے دوران لوگوں کو اتنی معلومات میسر آگئی ہیں کہ وہ خود بھی نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔ اس موضوع پر بھارت ہی میں نہیں، بلکہ اور ملکوں میں بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

وہ لوگ جو غیر ملکی اخبار پڑھتے ہیں انہیں معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں نے اعلانِ تاشقند کی مخالفت کی تھی۔ اہلِ وطن کو یاد ہوگا کہ میں تو تاشقند سے واپس آکر تین ہفتوں کے لیے گھر چلا گیا تھا لیکن اس عرصے میں صدر ایوب خان لوگوں کے سامنے اعلانِ تاشقند کی وضاحت کرتے پھر رہے تھے۔

مُوسیٰ صاحب ان حالات سے بخوبی واقف ہوں گے جن کے پیشِ نظر میں فوری طور پر حکومت چھوڑ کر نہ چلا گیا۔ اب اصل حقیقت یہ ہے کہ میں نے تین مرتبہ استعفےٰ پیش کیا تھا۔ ایک مرتبہ اعلانِ تاشقند پر دستخط سے پہلے اور دو مرتبہ اس کے بعد۔ لیکن مجھے یہی کہا گیا کہ اگر میں نے اس وقت اپنے منصب سے علیٰحدگی اختیار کی تو یہ ایسے وقت میں ساتھ چھوڑ جانے کے مترادف ہوگا جب پاکستان ایک سنگین بحران سے دوچار تھا اور بیرونی فوجیں سرزمینِ وطن پر موجود تھیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ بحران کے لمحات میں اتحاد انتہائی ضروری ہے۔ اس پر میں بعض شرائط پر جنہیں میں ابھی طشت از بام نہیں کر سکتا ڈھاکے میں قومی اسمبلی سے خطاب کرنے پر راضی ہو گیا۔

مجھ پر یہ الزام لگانے کے بعد کہ میں نے راز افشا کیے ہیں مُوسیٰ صاحب نے حکومت کا پول کھولتے ہوئے اور اس کے لیے پریشانی کا موجب بنتے ہوئے خود یہ راز فاش کر دیا ہے کہ بھارت نے جنگ بندی کے وجود میں آنے سے تین یا چار روز پہلے اس کے لیے التجا کرنی شروع کر دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جنگ بندی عالمی رائے کو مطمئن کرنے کے لیے تسلیم کی تھی۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے اپنے جانباز سپاہیوں کے خون اور قومی مفادات کو عالمی رائے کے سراب کی بھینٹ چڑھا دیا اور یہ ایسی بات ہے کہ آج تک کسی دوسری قوم نے یوں نہیں کیا۔ مُوسیٰ صاحب کا یہ اعتراف تاریخی اہمیت رکھتا ہے اور پاکستان کے عوام اس حکومت کے اعمال کا ضرور محاسبہ کریں گے۔

www.bhutto.org

اس وقت عالمی رائے عامہ کی کسی نتیجہ خیز بینت جیسی کسی چیز کا کوئی وجود نہ تھا۔ اکثر و بیشتر ممالک نے کھل کر ہماری حمایت کی۔ ایک عظیم طاقت، چین، نے ہمارے حق میں الٹی میٹم دینے کا اقدام بھی کیا۔ ایک اور بڑی طاقت، فرانس، نے سلامتی کونسل کو تجارتی پابندیوں کی قرار داد منظور کرنے کی اجازت نہ دی — جب جنگ جاری تھی تو ہمیں متعدد ممالک سے نہ صرف اخلاقی بلکہ مادی امداد بھی ملی — صرف اُن چند ممالک نے، جنہیں ہمارے موقف سے ہمدردی نہ تھی، ہمیں جنگ بندی قبول کرنے پر مجبور کیا — چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ ہم نے اپنے گنتی کے دشمنوں کی خواہشات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور اپنے حامیوں کو بیچ منجدھار چھوڑ دیا۔ یوں ہم نے مبینہ عالمی رائے کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے مفادات قربان کر دیے اور خونِ شہداء کی بے حرمتی کی —

ایک جگہ گورنر صاحب کہتے ہیں کہ میں اپنے رفقاء کار سے متفق تھا کہ فائر بندی کو تسلیم کر لینا دانشمندانہ پالیسی ہے" — "اگر یہ شخص اس کے خلاف تھا" موسیٰ صاحب اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں — "تو اُسے اسی وقت اپنی نیت کا اعلان کر دینا اور کھلے بندوں اختلاف کا اظہار کرنا چاہیے تھا —" اس بیان سے کچھ ہی پہلے موسیٰ صاحب یہ کہہ چکے ہیں کہ فائر بندی کے مقررہ وقت سے صرف آدھا گھنٹہ پہلے اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو جنگ بند کر دینے کے بارے میں پاکستان کے مؤقف سے آگاہ کیا گیا تھا۔ جو کچھ اقوامِ متحدہ میں پیش آیا ظاہر ہے کہ اس کے بارے میں تو کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا —— اتنی بات تو طے ہے کہ اس وقت میں وہاں تھا —— اگر یہ تسلیم ہو کہ میں اس وقت وہاں موجود تھا تو میرے لیے یہ کیونکر ممکن تھا کہ جنگ بندی کے فیصلے سے اتفاق کرنے یا اس کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے میں اپنے رفقائے کار کے پاس ہوتا ؟ میرے لیے کیونکر ممکن تھا کہ میں ایک ہی وقت میں نیویارک اور راولپنڈی میں موجود ہوتا —

موسیٰ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے کھلے بندوں اظہارِ اختلاف کرنا چاہیے تھا۔ یقیناً وہ سنجیدگی سے نہیں کہہ سکتے کہ مجھے امریکہ یا پاکستان سے باہر جنگ کے دوران میں خود سرزمین پاکستان میں کھلم کھلا اختلافِ رائے کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔

www.bhutto.org

مُوسیٰ صاحب نے مجھ پر جو اتہامات لگائے ہیں۔ ان میں سب سے بے بُنیاد اور شرمناک اتہام یہ ہے کہ میں نے بھارتی تخریب کاروں کی پشت پناہی کی۔

مجھے نیویارک میں تھرپارکر سے صوبائی اسمبلی کے ایک ممتاز ہندو رُکن کا ہمجانی پیغام ملا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے اور اس کے فرقے کے لوگوں کو قتلِ عام کا خوف لاحق ہے۔ اس نے مجھ سے وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے اپیل کی تھی کہ پاکستان کے وفادار شہریوں کے طور پر ان کی زندگیوں کے تحفظ کا سامان کروں۔ یہ ایک دستوری ذمہ داری ہے کہ اپنے ہر فرقے کے شہریوں کا تحفظ کیا جائے۔ ہم پر یہ ذمہ داری ہمارے دین کی جانب سے بھی عائد ہوتی ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں کا تحفظ کریں۔ جب یہ پیغام ملا تو میں نے حیدرآباد کے کمشنر سے رابطہ پیدا کیا اور اس سے کہا کہ نظم و نسق برقرار رکھنے کی کوشش کرے اور کوئی ناانصافی نہ ہونے دے۔ اگر پاکستانی ہندوؤں پر حملہ ہو جاتا تو اس کے نتیجے میں لاکھوں بھارتی مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا۔

۱۹۴۸ء میں حالات اتنے نازک نہیں تھے، لیکن جب کراچی میں فسادات برپا ہوئے تو سر ظفر اللہ خان نے، جو اس وقت وزیرِ خارجہ تھے، قائداعظم کو اس مضمون کا تار بھیجا تھا کہ اگر فسادات یونہی جاری رہے تو سلامتی کونسل میں ہمارے کیس کو بُری طرح نقصان پہنچے گا۔ جب میں نے ۱۹۶۵ء میں صوبائی اسمبلی کے ایک ایسے رُکن کی اپیل پر، جو تھرپارکر کا پاکستانی ہندو بھی تھا، یہ اقدام کیا تو ۱۹۴۸ء سے بھی خراب نتائج مرتب ہو سکتے تھے۔

جس کسی نے بھی تخریب کاری کا ارتکاب کیا اس کے خلاف قانونی کارروائی کی گئی اور اُسے سزا مل گئی۔ اس حقیقتِ حال سے کہ صوبائی اسمبلی کے اس ہندو رُکن کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہ کی گئی اور وہ اب بھی اسمبلی میں سرکاری بنچوں پر بیٹھتا ہے، یہ بات کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ حکومت اُسے مجرم نہیں گردانتی۔

اس لغو الزام کا یہ مضحکہ خیز پہلو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جنگ کے دوران جب میں کراچی پہنچا تو مجھے مطلع کیا گیا کہ میرے تحفظ کے لیے غیر معمولی حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ خبر ملی ہے کہ بھارتیوں نے راجستھان محاذ سے مجھے قتل کرنے کے لیے کمانڈو

www.bhutto.org

بھیجنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ وہ شخص جو بھارتیوں کے غیض و غضب کا نشانہ بنا رہا اُسی پر یہ الزام دھرا جا رہا ہے کہ وہ بھارتی تخریب کاروں کی پشت پناہی کر رہا تھا۔

حکومت کو ہاتھ پاؤں پڑے ہوتے ہیں اور وہ اپنی بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے میں کوشاں ہے۔ حکومت اپنے ملک کے پریس پر تو کنٹرول کر سکتی ہے لیکن دوسرے ملکوں کے وسائل اطلاعات تو اس کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔ جو امور حکومت کی دُکھتی رگ ہیں ان پر باہر بہت کچھ لکھا گیا ہے جس کا کچھ نہ کچھ حصہ پاکستان میں بھی در آتا رہتا ہے۔ حکومت کی بدعنوانیاں لوگوں سے زیادہ دیر ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتیں۔

میں یہ سادہ سا سوال کرنا چاہتا ہوں کہ موسیٰ صاحب نے مجھ پر جو الزامات اب لگائے ہیں یہ اس وقت کیوں نہ لگائے جب میں نے حکومت کو خیرباد کہی؟ مجھ پر دستور کے آرٹیکل ۱۲۱ کی دفعات کا اطلاق کیوں نہ ہوا؟ اس کے برعکس صدر صاحب نے مجھ پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے اور قوم سے یہ بات چھپانے کا جتن کرتے رہے کہ میں حکومت سے دراصل کس بات پر علیحدہ ہوا ہوں۔ موسیٰ صاحب کو جواب دینا چاہیے کہ اُس وقت لوگوں کو اصل واقعات کے متعلق اندھیرے میں رکھنے کا اس قدر اہتمام کیوں کیا گیا۔ مجھ سے یہ التجا کیوں کی گئی کہ میں رُخصت پر اور ملک سے باہر چلا جاؤں اور میری حمایت میں اس قدر عدیم المثال مظاہرے کیوں ہوئے؟

مجھے اس سلوک کے بارے میں شکایت نہیں جو مجھ سے روا رکھا گیا بلکہ اس کی بنا اُس سلوک پر ہے جو میرے ملک کے ساتھ روا رکھا گیا اور رکھا جا رہا ہے۔ میری شکایت یہ ہے کہ قوم کے ساتھ غداری کی گئی ہے۔ میں نے حکومت کی اس پالیسی پر اکثر تنقید کی ہے اور ایک شہری کے طور پر مجھے اس کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن اب موسیٰ صاحب ایک طرف تو مجھ پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ میں نے سرکاری راز فاش کرنے کا ارتکاب کیا ہے اور دوسری طرف مجھے اُکسا رہے ہیں کہ میں قوم کو کھول کر بتاؤں کہ اس کے ساتھ کیونکر غداری کی گئی۔

موسیٰ صاحب کہتے ہیں کہ جب میں بھارتی ہائی کمشنر کے گھر گیا تو عقبی دروازے سے داخل ہوا۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ میں وہاں دن دہاڑے دوپہر کے ایک بجے اپنی کار

www.bhutto.org

میں گیا اور سامنے سے داخل ہوا۔ میں وہاں چھپ چھپا کر چوری کیوں کر جاتا۔ جب کہ میرے گھر ملنے جلنے تک پر سی آئی ڈی کا رات دن کا پہرہ ہے۔

لگے ہاتھوں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں بھارتی ہائی کمشنر کے یہاں سندھ طاس کے معاہدے پر دستخط کرنے یا مشترکہ دفاع کی کوئی تجویز لے کر نہیں گیا تھا۔ بھارتی ہائی کمشنر نے خود درخواست کی تھی کہ وہ مجھ سے سابقہ وزیر خارجہ کی حیثیت میں پاک بھارت تعلقات پر گفتگو کرنی اور اس ضمن میں میری رائے معلوم کرنی چاہتا ہے کہ کیا خلیق الزماں کی سرکردگی میں جو غیر سرکاری وفد بھارت بھیجا جا رہا ہے اس سے دونوں ملکوں کے درمیان بہتر افہام و تفہیم کو فروغ ملے گا؟

جو لوگ اس حکومت کے مخالف ہیں انہیں وطن دشمن قرار دیا جا رہا ہے۔ آخر اس حکومت کے پاس اپنی حب الوطنی کا کیا ثبوت ہے؟ اگر اس حکومت کے چہیتے کاروباریوں کو اجارہ داری کی اجازت ہے تو کیا اُسی طرح حکومت کو بھی استحقاق ہے کہ حب الوطنی کی اجارہ دار بن بیٹھے ــــ اس حکومت کو ایسا کوئی حق نہیں ــــ اعلان تاشقند پر کس نے دستخط کیے تھے؟ بھارت کے ساتھ مشترکہ دفاع کی خواہش کس نے کی تھی؟ شمال سے چین کے خطرے کی بات کس نے چھیڑی تھی؟ سندھ طاس کے معاہدے پر کس نے دستخط کیے تھے اور اب فرخا بیراج کی تعمیر پر بھارت کے اصرار کے سامنے کون پسپائی اختیار کر رہا ہے؟ بھارت کو بیرو باڑی پر ناجائز قبضے کی مہلت کون دے رہا ہے؟ جب میں نے آسام پر اپنے حقوق کا سوال اٹھایا تو کس نے بُرا مانا تھا؟ ایک بیرونی طاقت کو "بڈا بیر" کا اڈہ کس نے پٹے پر دے کر پاکستان کی خود مختاری کا سودا کیا تھا؟

پاکستان کے دشمن اس حکومت سے اظہار ہمدردی کرتے رہتے ہیں جو اپنی حمایت میں کسی بھی ایرے غیرے کے سرٹیفکیٹ شائع کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتی ــــ قومی مفادات پر نرم پڑ کر ایسی داد و تحسین بآسانی حاصل کی جا سکتی ہے ـ پاکستان کے مفادات کا تحفظ تو ایک طرف، یہ حکومت بیرونی طاقتوں کی دھمکیوں اور ترغیبوں کے باعث اس جہت

www.bhutto.org

میں مسلسل ناکام چلی آتی ہے ۔ یہ حکومت ڈینگیں تو بہت مارتی ہے لیکن بابر اس کے حق سے آواز نہیں نکلتی ۔

میں اربابِ حکومت کے اس پراپیگنڈے کو یکسر رد کرتا ہوں کہ پاکستان پہلے سے مضبوط ہو گیا ہے ۔ امورِ خارجہ میں پاکستان کی حیثیت پہلے کی نسبت کہیں کمزور ہو گئی ہے ، دیکھا جائے تو پاکستان بے بار و مددگار ہو کر رہ گیا ہے اور کوئی اس پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں ۔ حکومت تمام ممالک کے ساتھ اچھے مراسم کی دعوٰی دار ہے ۔ اگر یہ دُرست ہے تو اس کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں کہ کمزوری کے باعث تسلیم کی خُو ڈال لی گئی ہے ۔ اب تو حکومت اس سطح پر اُتر آئی ہے کہ بھارت کے ساتھ تنازعات کو کسی ایسے یکمشت سودے کے طور پر نبٹا لے جس میں جموں اور کشمیر کے عوام کے حقِ خود ارادیت کا ذکر تک نہ ہو ۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو میرے خلاف مُوسیٰ صاحب کی بے ہنگم طولانی تقریر کے صرف ایک دن بعد ارشد حسین صاحب نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں حکومت کا تازہ ترین موقف پیش کیا تھا ۔ انہوں نے کہا ہے :

> "اپنی حکومت کی طرف سے میں کشمیر سمیت تمام حل طلب مسائل کو یکمشت سودے کی صُورت میں یا یکے بعد دیگرے حل کرنے کے لیے پاکستان کی آمادگی کی از سرِ نو توثیق کرتا ہوں ۔ شرط یہ ہے کہ بھارت اپنے اس اقرار کی توثیق کرے کہ کسی مناسب اور معینہ مرحلے پر وُہ خلُوص سے اور اِس نیت کے ساتھ کہ تنازعات کا حل تلاش کرنا چاہیے ، کشمیر پر مذاکرات کے لیے تیار ہو جائے گا ۔"

اگر یہ بیان بھارت سے یہ التجا کرنے کے مترادف نہیں کہ جب کبھی اس کا دِل چاہے اور جو شرائط اُسے راس آتی ہوں اُن پر سمجھوتہ کرنے پر رضامند ہو جائے ۔ تو مجھے بتایا جائے کہ حقِ خود ارادیت کے مؤقف سے ننگے انحراف کے اظہار کے لیے اس سے بہتر

www.bhutto.org

کون سی سیاسی زبان استعمال ہو سکتی ہے ؟

بیرونی قرضے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور اگر ہم نے اپنی معیشت کا نقشہ ہی نہ بدل ڈالا تو یہ ہمارے لیے پیرِ تسمہ پا بن کر رہ جائیں گے۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ سے درخواست کی گئی ہے کہ ضرورت پڑنے پر پاکستان کو ہنگامی قرضہ دینے کو تیار رہے۔ ہم اس قدر دیوالیہ ہو گئے ہیں کہ فرانس کے ساتھ قرضے کا ایک حالیہ معاہدہ کرتے ہوئے اصل رقم میں سے سود کی وہ رقم منہا کر لی گئی جو قرضے کی واپسی کے موقع پر ادا کی جاتی ہے۔ اب ہم ایک ایسی بحرانی کیفیت سے دوچار ہیں کہ ملک کے زرِ مبادلہ کا بیس فی صد حصہ بیرونی قرضے برابر کرنے کی نذر ہو جاتا ہے۔

اس سے پہلے کبھی بدعنوانی اتنی عیاں اور فراواں نہ تھی اور نہ جرائم ہی کی یہ کثرت تھی۔ عزت، جان اور ملکیت اتنی غیر محفوظ ہو گئی ہیں کہ لاکھوں انسانوں کو مسلسل یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ نہ جانے کس وقت ان پر کیا بیت جائے۔ یہ صورتِ حال ابھارنے میں عاطہ اور انتظامیہ کی مشینری کے ناجائز استعمال کے ذریعے حکومت نے براہِ راست حصہ لیا ہے۔ اگر ملک میں سب کچھ درست حالت میں ہوتا تو موسیٰ صاحب نے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے جس منصوبے کا دعویٰ کیا ہے نہ تو اس منصوبے نے جنم لیا ہوتا اور نہ بلوچستان ہی پر تشدد کے بادل چھائے ہوتے۔

ایک جگہ موسیٰ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے پردۂ گمنامی سے برآمد کیا گیا اور دوسری جگہ کہتے ہیں کہ مارشل لاء سے پہلے میں اقوامِ متحدہ میں پاکستان کا نمائندہ تھا۔ دراصل میں ۱۹۵۷ء میں اقوامِ متحدہ جانے والے پاکستانی وفد کا ایک رکن تھا۔ اور فروری ۱۹۵۸ء میں بحری قانون کے مسئلے پر جنیوا میں منعقدہ اقوامِ متحدہ کی کانفرنس میں شریک ہونے والے پاکستانی وفد کا سربراہ تھا اور اس وقت میں صرف ۲۹ سال کا تھا۔ تیس برس سے بھی کم عمر کے جس نوجوان کو ایک اہم بین الاقوامی کانفرنس میں ملکی مفادات کی ترجمانی سونپی جائے اس کے بارے میں یہ کہنا لغو ہے کہ اُسے گوشۂ گمنامی سے نکال کر آسمان پر چڑھا دیا گیا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ عمر کے اسی دور میں موسیٰ صاحب کن اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔ ہر

www.bhutto.org

شخص کا مقدر اللہ کے ہاتھ میں ہے اور قرآن پاک کا ارشاد ہے :-

وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ۔

حکومت نے مجھے بدنام کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے لیکن وہ بُری طرح ناکام رہی ہے کیونکہ پاکستان کے عوام کی آنکھوں میں دُھول نہیں جھونکی جاسکتی۔ تاریخ کے محاسبے سے کسی کو مفر نہیں مستقبل واضح کر دے گا کہ کس نے قومی مفادات پر سودے بازی کی اور کس نے ان کے تحفّظ کے لیے پامردی کا ثبوت دیا۔ دس سالہ اندھیر نگری کے انجام پر حکومت کے تضادات اور موقع پرستانہ پالیسیوں کے باعث اس کا دامن شرم اور تضحیک سے مالا مال ہو چکا ہے۔ اگر اوسط دماغ جابروں کی یہ حکمران ٹولی سمجھتی ہے کہ اس کا گھٹیا اور تخریبی پراپیگنڈا لوگوں پر کچھ اثر انداز ہوتا ہے تو وہ پاکستان کے عوام کی سوجھ بوجھ کی ہتک کا ارتکاب کرتی ہے۔

میں گورنر مُوسیٰ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ تقدیر کے پہیئے نے ایک چکر پورا کر لیا ہے اور یوم حساب روز بہ روز قریب آتا جا رہا ہے۔

www.bhutto.org

ضمیمہ ۱

گورنر مغربی پاکستان کے اکیس الزامات

کسی شخص کی پیٹھ پیچھے اسے گالیاں دینا ایک بُری عادت ہے اور اس حقیقت کو بار بار بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ایک گھٹیا حربہ ہے۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ اس طرح فریقِ مخالف کو جواب دینے کا موقع نہیں ملتا۔ سیاسی اختلافات کا اظہار ایک بالکل علیحدہ چیز ہے اور اس پر کوئی معقول آدمی اعتراض نہیں کر سکتا۔ سیاست میں اس کے بغیر چارۂ کار بھی نہیں لیکن جرأت اور معقولیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر میں اپنے کسی سیاسی حریف کیخلاف توہین آمیز اور گھٹیا زبان استعمال کروں تو مجھ میں اتنی جرأت بھی ہونی چاہیئے کہ اس کا اظہار اس کے منہ پر کروں تاکہ وہ بھی میری باتوں کا جواب دے سکے۔ یہ تو صرف بُزدلوں کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے حریفوں کے خلاف مہم اس وقت شروع کرتے ہیں جب وہ سامنے موجود نہ ہوں اور ایسے ہی لوگوں میں سے ایک صاحب پچھلے دنوں یہاں تشریف لائے۔ ان کے بارے میں اب میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اُنہوں نے اس بات کی بھی پروا نہ کی کہ وہ اپنے شوقِ تنقید میں ملک کے بعض انتہائی اہم دفاعی رازوں کو طشت از بام کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے وقتی طور پر اپنے ذاتی مفاد کے لیے اس عہد کو بھی فراموش کر دیا جو مملکت کے رازوں کو سربستہ رکھنے کے لیے انہوں نے کیا تھا۔ دفاعی رازوں کا اظہار ایک سنگین جُرم ہی نہیں قوم اور وطن سے غداری بھی ہے اور جو لوگ یہ حرکت کرتے ہیں انہیں تو کسی طرح بھی محبِ وطن نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے برعکس ان کے عمل سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے دشمن کو وہ باتیں بھی بتانے کے لیے تیار ہیں جن پر ہمارے پیارے وطن کے دفاع اور آزادی کے تحفظ کا انحصار ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ دفاعی راز ایسی چیزیں ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے ہمارے دشمن بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔

www.bhutto.org

یہ حضرت کراچی کے ایئرکنڈیشنڈ بنگلے سے نکل کر حیدرآباد آئے اور یہاں انہوں نے تانگے والوں رکشے والوں اور چند مزدوروں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو قانون شکنی اور ہنگامہ آرائی پر اکسانے کی کوشش کی۔ یہ کشت وخون چاہتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ میں کشت وخون سے نہیں ڈرتا۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جب ۱۹۶۵ء میں بھارت نے حملہ کیا اور قوم کے بہت سے جوانوں کا خون رن کچھ، لاہور اور سیالکوٹ کے محاذ پر بہا تو اس وقت وہ کہاں تھے۔ کیا اس وقت وطن کے لیے خون کی قربانی دینے والوں کے خون کی قربانی میں اپنا خون شامل کرنے کا انہوں نے کوئی ارادہ ظاہر کیا تھا۔

سوشلزم کے دعویدار

یہ صاحب سوشلسٹ ہونے کے دعویدار ہیں۔ لیکن ایک طرف مغربی پاکستان کے قبائلی سرداروں اور جاگیرداروں سے ان کا گٹھ جوڑ ہے، دوسری طرف وہ مشرقی پاکستان کے انتہا پسند عناصر سے ساز باز کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس سوشلسٹ رہنما کو اس قسم کے اشتراک کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے حال ہی میں ایک نیا بت تراشا ہے جسے وہ بہت بڑا مفکر قرار دیتے ہیں اور یہ وہ شخص ہے جسے عدالتِ عالیہ نے پاکستان کا غدار قرار دیا ہے۔

یہ شخص بھارت کے ساتھ مسلح تصادم کا خواہش مند ہے لیکن اس کے باوجود یہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی شرمناک سازش کی بلکہ اس شخص نے تو اگرتلا سازش کے ایک ملزم کی قانونی پیروی کرنے کی پیش کش تک کی ہے۔

ان حضرت کو سب سے بڑا گلہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بے انصافی کی گئی ہے۔ شاید ان کا خیال ہے کہ حکومت میں جس عہدے پر وہ فائز تھے۔ اس سے ان کو علیحدہ کرنا حق تلفی کے مترادف ہے۔ اس کے برعکس میں سمجھتا ہوں کہ اس منصب سے ان کی علیحدگی بہت سے اسباب کی بنا پر ضروری تھی۔ میں ان اسباب کو بھی وضاحت سے بیان کروں گا۔ اس شخص کو اچانک گمنامی سے شہرت حاصل ہوئی۔ یہ شہرت اور مرتبہ اس کے ظرف سے بہت زیادہ تھا۔ اگرچہ یہ موقع حاصل ہونے کے بعد یہ شخص مسلسل خوشامد ہی میں مصروف رہا۔ تاہم اس کے سر میں یہ سودا سما گیا کہ اس کے بغیر ہمارے کاروبارِ مملکت میں شدید خلل واقع ہوگا۔

www.bhutto.org

اعلانِ تاشقند

ان صاحب کا یہ بھی ادعا ہے کہ قوم کو دھوکہ دیا گیا ہے لیکن اُنہوں نے یہ کبھی وضاحت نہیں کی کہ یہ دھوکہ کس طرح دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بات کو صحیح ثابت نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ قوم ایک مایوس آدمی کی مبہم باتوں اور کھوکھلے نعروں سے متاثر نہیں ہوگی۔ کیا قوم کے سامنے یہ بات نہیں ہے کہ جب سے یہ شخص حکومت سے علیحدہ ہوا ہے پاکستان زیادہ طاقتور ہو گیا ہے سیاسی نظام زیادہ مستحکم ہوا ہے۔ ترقی کی رفتار زیادہ تیز ہوئی ہے اور دوسرے ملکوں سے پاکستان کے دوستانہ تعلقات زیادہ مستحکم ہو گئے ہیں۔ اگر یہ کامیابیاں پاکستان نے حاصل کی ہیں اور بلاشبہ کی ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ اس شخص کی علیحدگی سے قوم کے ساتھ کیا دھوکہ ہوا ہے؟

یہ شخص کہتا ہے کہ جب لوگ اسلام پر حملہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں تو حکومت اکبر بگٹی کے خلاف کارروائی کرتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دونوں باتوں میں کیا تعلق ہے۔ ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ بلوچستان کے معاملات کے بارے میں صدر ایوب نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کیا اور اٹھارہ ماہ قبل تمام قبائلی سرداروں اور نام نہاد سرداروں اور سیاسی قیدیوں کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ حکومت ان علاقوں میں ترقی کے لیے جو کام کر رہی تھی۔ ان میں حکومت سے تعاون کرتے۔ اس کے برعکس ان لوگوں نے رہا ہوتے ہی تخریبی سرگرمیاں شروع کر دیں اور اکبر بگٹی بھی ان ہی لوگوں میں سے ایک ہے۔ دوسری تخریبی سرگرمیوں سے قطع نظر یہ شخص جیکب آباد کے امن پسند اور قانون کا احترام کرنے والے قبائل مثلاً جھکرانی اور کھوسہ قبائل کے لیے ایک مصیبت بن گیا۔ اس قسم کے لوگ ہیں جن کی یہ حمایت کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا بھی خیر خواہ نہیں۔ یہ تو ان کی خیالی مشکلات اور بے اطمینانی کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

گزشتہ اٹھارہ ماہ سے یہ شخص برابر دھمکی دے رہا ہے کہ وہ اعلانِ تاشقند کی خفیہ باتوں کو طشت از بام کر دے گا۔ یہی بات اس نے حیدرآباد میں بھی کہی۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنے عرصے سے یہ شخص اس معاملے پر خاموش کیوں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ شخص عوام کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ اعلانِ تاشقند کے ذریعے پاکستان کے مفادات کو بہت بڑا نقصان پہنچایا گیا ہے لیکن اس بات

www.bhutto.org

کو اتنے عرصے تک چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر یہ شخص بلی کو تھیلے سے باہر کیوں نہیں لاتا۔ یہ شخص جانتا ہے کہ اس اعلان کا مسودہ خود اس نے تیار کیا۔ پھر پاکستان کا بچہ بچہ اس بات سے واقف ہے کہ قومی اسمبلی میں خود اس شخص نے اعلانِ تاشقند کو پوری شدّ و مد سے سراہا اور اس کی حمایت میں زبردست تقریر کی جس پر ارکانِ اسمبلی سے خوب داد وصول کی۔ اگر اس شخص کے نزدیک یہ دستاویز ہمارے قومی مفاد کے منافی تھی تو اسے پہلے ہی مرحلے پر اس سے علیحدگی اور بے تعلقی اختیار کرنی چاہیئے تھی اور اگر اس وقت ممکن نہ تھا تو واپس وطن آکر اسے اپنی بے تعلقی کا اظہار کرنا چاہیئے تھا اور قومی اسمبلی میں اس دستاویز کی اس جوش و خروش سے حمایت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ کیا ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ شخص اپنے ذاتی مفادات کے لیے ہوا کے رُخ پر چلتا اور موقع محل کی مناسبت سے رنگ بدلتا رہتا ہے۔

دُنیا جانتی ہے کہ اعلانِ تاشقند پر جنگ بندی کے بعد دستخط ہوئے تھے اور جنگ بندی کی خواہش پاکستان نے نہیں بھارت نے کی تھی اور یہ شخص اس حقیقت سے دُوسروں کی نسبت زیادہ بہتر طور پر واقف ہے۔ اس کے لیے جنگ بندی سے صرف آدھ گھنٹہ قبل اس نے خود ہی اقوامِ متحدہ کے جنرل سیکرٹری کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ پاکستان نے عالمی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے جنگ بندی کا فیصلہ قبول کرلیا ہے۔ اس وقت تک پاکستانی افواج کو سپریم کمانڈر کا یہی حکم تھا کہ وُہ دُشمن پر کاری ضرب لگاتی رہیں۔ اس وقت تک پاکستان کے خلاف دُشمن کے عزائم ناکام ہو چکے تھے اور اس کا حملہ ہر محاذ پر پسپا کیا جا چکا تھا۔ بہت سے مقامات پر پاکستانی فوج دشمن کے علاقے میں داخل ہو چکی تھی اور وہاں لڑ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کو ان حالات میں جنگ بندی کی ضرورت یا خواہش نہیں تھی۔ جنگ بندی کے معاملے میں پاکستان نے عالمی رائے عامہ کا احترام کیا اور پاکستان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ کیونکہ جب پوری دُنیا یہ خواہش ظاہر کر رہی تھی کہ فریقین کے درمیان جنگ بند ہو جائے تو پاکستان تمام اقوام کی اس خواہش کو ٹھکرا نہ سکتا تھا۔ اس شخص نے اس وقت بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ تم دُنیا کی اس خواہش کو کیوں قبول کر رہے ہو۔ اس شخص نے اپنے دُوسرے ساتھیوں سے اتفاق کیا کہ اس موقع پر معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس فیصلے کو قبول کر لیا جائے۔ اگر اسے اس فیصلے سے اختلاف تھا تو اسے چاہیئے تھا کہ اس وقت اس سے

www.bhutto.org

اختلاف کا اظہار کرتا اور علیحدگی کا اعلان کر دیتا۔

عذرِ گناہ

یہاں حیدرآباد میں اس شخص نے کہا ہے کہ وہ کراچی میں بھارت کے ہائی کمشنر سے ملا تھا کیونکہ ہائی کمشنر اس سے بھارت کے بارے میں اس کے خیالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ گویا بھارت اس فردِ واحد کے خیالات کی وجہ سے خوفزدہ اور سراسیمہ و پریشان تھا۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ حضرت چوروں کی طرح پچھلے دروازے سے ہائی کمشنر کے مکان میں کیوں داخل ہوتے۔ یہ شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ پچھلے دروازے سے بھارتی ہائی کمشنر کے مکان میں گیا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس وقت یہ شخص احساسِ جرم میں مبتلا تھا اور وہ پاکستانی عوام سے یہ بات پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا کہ اس کا بھارت کے نمائندے سے رابطہ ہے۔ کیا آپ یہ یقین کر سکتے ہیں کہ بھارت کے ۵۰ کروڑ افراد پاکستان میں صرف اس فردِ واحد سے خوفزدہ ہیں۔ کیا کوئی آدمی بقائمی ہوش و حواس اس مضحکہ خیز بات کو قبول کر سکتا ہے۔ اگر واقعی یہ شخص بھارت کو خوف و دہشت میں مبتلا رکھنے کے لیے کافی ہے تو یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ پھر تو باقی دس کروڑ افراد کو چاہیئے کہ وہ آرام سے بیٹھ جائیں۔

ان صاحب نے اپنے آبائی قصبے میں امریکہ سے تین لاکھ روپے حاصل کر کے ایک مارکیٹ تعمیر کرائی ہے جس کا نام کینیڈی مارکیٹ رکھا ہے۔ حکومتِ پاکستان اور حکومت مغربی پاکستان نے بھی اس مارکیٹ کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اس شخص نے اس مارکیٹ کی تعمیر میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا۔ نہ اس کے خاندان کے کسی دوسرے فرد کی ایک پائی اس کی تعمیر میں لگی۔ اس وقت اس نے کینیڈی کے نام سے اس مارکیٹ کو منسوب کیے جانے پر فخر کا اظہار کیا اور اب یہ کہتا ہے کہ میں اس مارکیٹ کے لیے یہ نام رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔

۱۹۶۵ء میں اس شخص نے ان بھارتی عناصر کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جنہیں جنگ کے دوران دشمن نے راجستھان کے محاذ پر ہمارے مورچوں کے پیچھے تخریبی کاموں کے لیے بھیجا تھا۔ میں خود یہ بات جانتا ہوں کیونکہ بالآخر میں نے متعلقہ کمانڈر کو یہ ہدایت دی تھی

www.bhutto.org

کہ وُہ ایسے عناصر کی سرگرمیوں سے ہوشیار رہیں۔ میری اس ہدایت پر یہ شخص سخت برہم تھا کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ سرحد کے اس طرف اس کے ہندو دوست سرحد پار کر کے ہم مذہبوں کے ساتھ تخریبی سرگرمیوں کے سلسلے میں رابطہ قائم کرنے سے محروم ہو گئے۔

اس شخص نے یہ بھی کہا ہے کہ حزبِ اختلاف ملک میں جمہوریت چاہتی ہے جب کہ لوگوں کو حکومت نے بنیادی جمہوریت پر ٹرخا دیا ہے۔ یہ بنیادی جمہوریت موجودہ حکومت کی اصلاحات میں سے ایک اہم اقدام تھا اور یہ شخص ان اصلاحات کے نفاذ کے مرحلے پر حکومت کے ہر اقدام میں نہ صرف شریک تھا بلکہ پیش پیش رہا۔ اس نے نہ صرف اس بات سے اتفاق کیا کہ یہ اصلاحات پاکستان کے عین مفاد میں ہیں بلکہ بڑھ چڑھ کر ان اصلاحات کی حمایت و تائید بھی کرتا رہا۔ اگر یہ بنیادی جمہوریتوں کے خلاف تھا تو اسے اسی موقع پر اس کی مخالفت کرنی چاہیئے تھی۔ اب اتنے عرصے کے بعد اس کے لیے یہ کس طرح مناسب ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ بنیادی جمہوریتوں کا نظام ہمارے مفاد میں نہیں ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ اب یہ شخص اقتدار میں نہیں ہے اور یہ بات کہ یہ نظام ملک کے حق میں ہے۔ اس نے اس وقت کہی تھی جب وہ اقتدار میں شامل تھا۔

اسکندر مرزا سے وفاداری

مارشل لاء سے قبل یہ شخص اقوام متحدہ میں پاکستان کا نمائندہ تھا۔ جب مارشل لاء نافذ ہُوا تو بعض دستاویزات میں سے ایک کاغذ بھی ملا جس میں اس نے اسکندر مرزا کو لکھا تھا کہ میرا باپ آپ کا بڑا خیر خواہ اور دوست تھا اور مرنے سے قبل اس نے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں آپ سے تعاون کروں۔ اس خط میں اس شخص نے انتہائی خوشامدانہ لہجے میں سکندر مرزا کو یقین دلایا کہ آپ میری وفاداری اور تائید و حمایت پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ اور اس معاملے میں مجھے اپنے باپ کی وصیت کو پُورا کرنا ہے۔ بعد میں جب اسکندر مرزا اس ملک سے نکل گیا تو اس شخص نے اس کی بُرائی شروع کر دی اور سات سال تک اسکندر مرزا کو بُرا بھلا کہتا رہا۔ اب یہ شخص اپنے اس نسخے کو پھر استعمال کر رہا ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہنا چاہیئے کہ اس شخصیت کے بارے میں ناشکری کا اظہار کر رہا ہے جس نے اس پر اعتماد کیا، اسے گمنامی سے نکال کر عزت اور شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا اور اپنے بیٹوں کی طرح اس

www.bhutto.org

کی دیکھ بھال کی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ شخص منہ میں نوالہ دینے والے ہاتھ کو کاٹنے کی عادت میں مبتلا ہے۔ یہ شخص بعض غیر ممالک میں گیا وہاں جا کر اس نے پاکستان کے مفادات کو شدید نقصان پہنچایا۔ میں اس کی حرکتوں کی تفصیلات بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے لیے مجھے بہت پستی تک اُترنا ہوگا اور میرا موجودہ منصب اس کی اجازت نہیں دیتا۔ بعض ملکوں میں جہاں اسے عزت و احترام کی نظر سے دیکھا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ پاکستان کی نمائندگی کر رہا تھا۔ ورنہ اس کی ذاتی حیثیت میں کوئی اسے ہرگز اہمیت نہ دیتا۔ میں اس سلسلے میں خود اپنی مثال دیتا ہوں۔ میں حال ہی میں رُوس کا دورہ کر کے آیا ہوں۔ میرے ساتھ اُنہوں نے جس خوش خلقی اور مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ ظاہر ہے کہ اُنہوں نے میرے ساتھ یہ سلوک صرف اُس دوستی اور احترام کی وجہ سے کیا جو دونوں ملکوں کے عوام اور لیڈروں کے درمیان ایک دُوسرے کے لیے موجود ہے۔ اور اس لیے بھی کہ وہ پاکستان کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر میں ذاتی حیثیت میں وہاں چلا جاتا تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کو اس طرح میری آؤ بھگت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

حیدر آباد میں اس شخص نے جو کچھ کہا اسے سُن کر تو میں یہی محسوس کرتا ہوں کہ یہاں پہنچ کر اس نے اپنی شرافت کا لبادہ اُتار کر رکھ دیا اور بس آستینیں چڑھا کر بولنا شروع کر دیا حالانکہ اس قسم کی باتوں کا یہاں کوئی موقع محل نہ تھا۔ اس نے صرف شیخی بگھارنے کے لیے یہاں اس قسم کی باتیں کیں۔ اگر اُسے ایسا ہی جوش و خروش کا مظاہرہ کرنا تھا تو اس کے لیے صحیح وقت ستمبر ۶۵ء میں تھا کہ وہ لنگر لنگوٹا کس کر محاذِ جنگ پر جاتا جہاں دشمن کے ساتھ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ اُس سے کبھی آپ ہی پوچھیں کہ اس وقت وہ کہاں تھا؟

وَن یُونٹ کا مسئلہ

وحدتِ مغربی پاکستان ایک اہم قومی مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں اس شخص کا نقطۂ نظر ہر علاقے میں الگ ہوتا ہے۔ سندھ میں یہ شخص درپردہ اس کی حمایت کرتا ہے۔ پنجاب میں جا کر یہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ دُوسرے علاقوں میں جاتا ہے تو مختلف باتیں کرتا ہے۔ لیکن ابھی تک اس نے علی الاعلان اس اہم مسئلے پر اپنا قطعی رائے کہیں ظاہر نہیں کی۔ آپ کبھی اس سے پوچھیں کہ وہ

www.bhutto.org

اس معاملے میں اپنے نقطۂ نظر کا واضح طور پر اعلان کرے۔ یہ سمجھتا ہے کہ وہ مبہم باتیں کر کے عوام کو بیوقوف بنا سکتا ہے۔ حالانکہ لوگ اتنی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس کے پوشیدہ مقاصد کو سمجھ سکیں۔ وہ تو صرف خود کو بے وقوف بنا رہا ہے۔

کشمیر کے معاملے پر یہ شخص طرح طرح کی باتیں کرتا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ ایک مرتبہ وزارتِ خارجہ نے بین الاقوامی صورتِ حال اور دوسرے حالات کے مطابق مسئلہ کشمیر کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی قائم کی۔ میرے بار بار زبانی اور تحریری طور پر زور دینے کے باوجود اس شخص نے اس کمیٹی سے علیحدگی اختیار کیے رکھی۔ اس نے یہاں تک کہا کہ مجھے کشمیر کے مسئلے سے کوئی غرض نہیں ہے اور اس معاملے میں خواہ مخواہ مجھے پریشان نہ کیا جائے۔ میں نے صدر کو اس کی ان باتوں سے آگاہ کر دیا، کیونکہ میرے خیال میں یہ شخص بہت خطرناک کھیل کھیل رہا تھا۔ بظاہر عوام میں یہ کہتا رہا کہ کشمیر کے معاملے میں ہمیں بھارت کے ساتھ جنگ سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے لیکن عملاً صورت یہ تھی کہ یہ شخص کہتا تھا کہ میرا اس مسئلے سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور اپنے رویے میں وہ اتنا پختہ تھا کہ اس نے وزارتِ خارجہ کی کمیٹی کے ایک اجلاس میں بھی شرکت نہیں کی۔

اب یہ شخص کہتا پھرتا ہے کہ لاہور اور ملتان میں جو طلبا ہلاک ہوتے تھے، ان کی یادگار تعمیر کرنی چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ قوم کے یہ معصوم بچے اس جیسے ہی خود غرض لوگوں کی رہنمائی کی وجہ سے گمراہ ہوئے تھے۔ یہ لوگ بچوں کو گمراہ اور مشتعل کر کے خود ہمیشہ پچھلی صفوں میں رہتے ہیں۔ ہم سب کو ان کی جانوں کے نقصان پر افسوس ہے کیونکہ وہ ہمارے ہی بچے تھے اور خود غرض لوگوں کی باتوں میں آ کر ان کی زندگی ضائع ہوئی۔ اب اگر ان کی یادگار تعمیر کی جائے تو اس پر بھی کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، مگر سوال یہ ہے کہ یہ شخص ان لوگوں کی یادگار تعمیر کرنے کا ارادہ کیوں نہیں کرتا جنہوں نے ہمارے وطن اور ہماری جانوں کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی قربانی دی اور اس شخص تک کے لیے جان کی قربانی دی جو محاذِ جنگ سے میلوں پرے آرام سے بیٹھا تھا۔ اگر اس شخص کو واقعی یادگاریں بنانے کا شوق ہے تو پھر شہدا کی طرف بھی اسے توجہ کرنی چاہیے۔

یہ حکومت کے اس نظریے کا بھی مذاق اڑاتا ہے کہ آج کے طلبا مستقبل کے رہنما ہیں۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسے اس نظریے سے اختلاف ہے اور یہ طلبا کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ وہ

www.bhutto.org

مستقبل میں قومی امور اور مسائل کو حل کرنے کی ذمہ داری سنبھال سکیں۔ اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ جو لوگ آج ذمہ دار عہدوں پر فائز ہیں طلبا کو ان کی جگہ سنبھالنے کے لیے تیار کیا جائے تو اس میں کیا غلطی ہے ؟ میرے خیال میں اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

یہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ میں نے آپ کے سامنے رکھ دی ہیں کہ آپ اس شخص کے افعال و کردار اور قول و عمل کا خود ہی جائزہ لے سکیں۔ یہ شخص ساری حرکتیں صرف اس لیے کر رہا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے اور ہتھکنڈے سے اقتدار پر قبضہ کرلے۔ یہ سنسنی اور اشتعال پھیلانے کے لیے لوگوں کی اور ہم میں سے بعض افراد کی کمزوریوں کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔ آپ کو اس بات پر نظر رکھنی چاہیئے کہ محض کسی شخص کی نعرے بازی اور الفاظ کے ہیر پھیر سے آپ اپنی رائے کو متاثر نہ ہونے دیں کیونکہ اس طرح ہمارا کوئی مسئلہ حل نہ ہوگا۔

www.bhutto.org

ضمیمہ ۲

قائداعظم محمد علی جناح کے نام خط

چارلی ول ہوٹل
مسوری
۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء

محبِ گرامی!

سرحد میں جو سیاسی حالت پیدا ہو گئی ہے اس نے مجھے ایسا بے قابو اور غضبناک کر دیا ہے کہ مجھے اپنے قائد کو خط لکھنے کا حوصلہ مل گیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج کے مسلمان اپنی مجاہدانہ اور سپاہیانہ صفات سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں پر یہ حقیقت کھل جانی چاہیئے کہ ہندو نہ کبھی ہم سے مل سکتے ہیں، نہ کبھی ملیں گے۔ وہ ہمارے قرآنِ پاک اور نبیِ اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن ہیں۔ ہم پر یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جانی چاہیئے کہ ہمارے قائد آپ ہیں۔ گرامی قدر! آپ ہی نے ہمیں واحد پلیٹ فارم اور واحد جھنڈے تلے جمع کیا ہے اور ہر مسلمان کا نعرہ یہی ہونا چاہیئے "لے کے رہیں گے پاکستان" آپ کی ذات میں ہمیں ایک قابل قائد نصیب ہے اور اب دنیا کی کوئی طاقت ہمارا راستہ نہیں روک سکتی۔ ہم بذاتہٖ ایک قوم ہیں اور ہندوستان ایک برِصغیر ہے۔ لہٰذا ہم اپنے حقوق لے کر رہیں گے۔

میں ابھی سکول میں پڑھتا ہوں اس لیے اپنے مقدس وطن کے قیام میں عملی مدد نہیں دے سکتا، لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب میں پاکستان کے لیے اپنی جان

www.bhutto.org

بھی قربان کردوں گا ۔ میں صوبہ سندھ سے تعلق رکھتا ہوں ۔ بلاشبہ سندھ کا صوبہ بھی پریشانی پیدا کر رہا ہے، لیکن انشاء اللہ وہ دن طلوع ہو کر رہے گا جب سندھ کے حالات بہتر ہو جائیں گے اور وہ ہمارے پاکستان میں بنیادی کردار ادا کرے گا ۔

مجھے پورا پورا احساس ہے کہ آپ بہت مصروف انسان ہیں اور شاید آپ کے پاس ایک طفلِ مکتب کا یہ خط پڑھنے کا بھی وقت نہ ہو ۔ چہ جائیکہ آپ اس کا جواب دیں ۔ اگر میں آپ کے خیال میں بہت نادانی کی باتیں کر رہا ہوں تو مہربانی سے مجھے معاف فرما دیجئے ۔ بس میں تو ان بے عمل لوگوں کی بے مغز تقریریں پڑھنے کے بعد آپ کو خط لکھنے پر مجبور ہو گیا تھا ۔

میں ہوں آپ کا پیروکار

ـــــ ذوالفقار علی بھٹو ـــــ

www.bhutto.org

ایم۔ اے۔ ایچ اصفہانی کے نام خط

۱۴۲۱۔ساؤتھ فلاور سٹریٹ
لوس انجیلوس ۷۔ کیلی فورنیا
۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء

محبِ گرامی!

میں اِس خط کو اپنے رنج وغم کے مخلصانہ اور ناقابلِ بیان اظہار سے شروع کرتا ہوں۔ ہماری زندگی کے اس نازک مرحلے میں قسمت کے ناپاک ہاتھ نے ہم پر سخت ظلم کیا ہے۔ لیکن ہمیں مشیتِ ایزدی میں چوں و چرا کرنے کا کیا حق ہے۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہم اس فیصلہ کُن لمحے میں یتیم ہوگئے ہیں جب کہ کسی بھی اور وقت سے بڑھ کر ہمیں اپنے محبوب قائدِاعظمؒ کے بے پناہ لُطف وکرم کی ضرورت تھی۔ ہماری بقاء کا انحصار زندگی کے انقلابات کے مقابلے کے لیے لامحدود عزم وہمت قائم کرنے پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس ہمت افزا تربیت کی بدولت جسے ہمارے قائد نے ہماری رگوں میں پیوست کر دیا ہے۔ ہم ان سب رُکاوٹوں کا سامنا کر سکتے ہیں جو ہمیں درپیش ہیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے اور ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ اگرچہ قائدِاعظمؒ ہمارے درمیان موجود نہیں تاہم ان کی پاکیزہ اور معصوم رُوح ہمارے دل و دماغ میں ہمیشہ تروتازہ رہے گی۔

خدا اُن کی مقدس رُوح پر اپنا رحم وکرم کرے۔ اس قدر طویل اور تھکا دینے والے کام کے بعد آخر انہیں آرام وسکون حاصل ہوگیا ہے۔ ان کی ساری زندگی

www.bhutto.org

اپنی قوم کی فلاح و بہبود اور آزادی کے لیے ایک جدوجہد تھی۔

جناب والا! جو ذمہ داری آپ پر اور پاکستان کے دوسرے رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے وہ اب اور بڑھ گئی ہے اور ہم سب کو یقین ہے کہ آپ اپنے فرض کو وقار اور کامیابی کے ساتھ انجام دیں گے۔ آمین!

آپ کا بہت مخلص

— ذوالفقار علی بھٹو —

www.bhutto.org

اختتامیہ

اِس مستقل اندیشے کے پیشِ نظر کہ جوہری ہتھیاروں کا استعمال ایسے پیمانے پر ہو سکتا ہے کہ کرۂ ارض پر زندگی کا سراسر خاتمہ ہو جائے، دنیا کا کوئی ملک عالمی سطح پر تخفیف اسلحہ کی اصولاً مخالفت نہیں کر سکتا۔ جب دنیا میں ہر جگہ لوگ اپنے حالاتِ زندگی کو بہتر بنانے کے آرزومند ہوں تو کسی قوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دستیاب وسائل کو دفاع کی بجائے اقتصادی نشوونما کیلئے استعمال کرنے کے مطالبے کی مخالفت کرے۔ تاہم موثر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ تخفیف اسلحہ کئی طرفہ عالمی بنیادوں پر ہو، تاکہ نہ تو کسی ایک قوم کو کسی دوسری پر اور نہ کسی ایک گروہِ اقوام کو کسی دوسرے پر برتری حاصل ہو۔ لیکن ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تخفیفِ اسلحہ کی تجویز میں عدل کا شائبہ تک نہیں۔ ہندوستان جموں و کشمیر پر اور ان مشرقی محصورات (آنکلیوز) پر جو پاکستان کے خطے ہیں قابض ہے۔ اِن حالات میں ہندوستان اور پاکستان کے مابین دو طرفہ تخفیفِ اسلحہ کا مطلب اس ریاست کی فتح ہے جو متنازعہ علاقے پر قابض ہے اور اس ریاست کی شکست جس کے علاقے اس سے چھن گئے ہیں۔

ہمیں اس زبردست امداد سے حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے جو ہندوستان کو مِل رہی ہے۔ بذاتِ خود ہی ہندوستان پاکستان کیلئے ایک خطرہ ہے، اور طاقتور خارجی قوتوں سے مدد حاصل

www.bhutto.org

کر کے وہ اور بڑا خطرہ بن جائے گا۔ لیکن یہ خطرہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ ایسی قوم کے متحدہ عزم کو نہیں توڑ سکتا جس کا مقصد حق بجانب ہو۔ موجودہ صورتِ حال ہمیشہ کیلئے جاری نہیں رہ سکتی۔ عالمی طاقتوں کے انداز، جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، بدل بھی سکتے ہیں۔ بین الاقوامی معاملات میں "ناقابلِ تغیر مستقل" کے قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہندوستان ریاستہائے متحدہ اور چین کے درمیان افہام و تفہیم کے رابطوں کے متعلق سنتا ہے تو خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ وقت گذرنے کے ساتھ کہیں ریاستہائے متحدہ اور چین میں یا چین اور سوویت یونین کے درمیان بقائے باہمی کا کوئی طریقہ بروئے کار آ گیا تو ہندوستان اپنے آپ کو اکیلا پائے گا۔ ویت نام کی جنگ فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے۔ اس برِ صغیر کے مستقبل پر اور مجموعی طور پر تمام ایشیا پر اس کے براہ راست اثرات مترتب ہوں گے۔ خدا کرے یہ جنگ نہ پھیلے اور ہمیں اپنے مسائل کو اطمینان بخش طور سے حل کرنے کی مہلت مل جائے۔ ریاستہائے متحدہ اور چین کے مابین ویت نام پر بڑھتا ہوا تقابل بادی النظر میں پاکستان پر ناموافق اثر ڈالتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن زیادہ قریب سے مشاہدہ اس وہم کو دور کر دیتا ہے۔ ہم بڑھتے ہوئے دباؤ سے نمٹنے کیلئے ویت نام کی صورت حال سے مستفید ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ہم ان فشارات کا جو ہمیں پہلے ہی سے محسوس ہو رہے ہیں مقابلہ کر لیں۔ اگر یہ جنگ تسلی بخش طور سے ختم ہو گئی تو شاید اس سے ریاستہائے متحدہ اور چین کے درمیان کشیدگیاں بھی ختم ہو سکیں، جس سے پاکستان کو فائدہ ہو گا۔ اگر جنگ جاری رہی تو احتمال ہے کہ ریاستہائے متحدہ اس میں اتنی بری طرح الجھ جائیگا کہ وہ پھر پاکستان پر کوئی دباؤ نہ ڈال سکے گا۔ اور نہ وہ موجودہ حالات میں ایشیا کے اندر ایک اور سنگین بحران کو وجود میں لانے کا خواہشمند ہو گا۔

بہر صورت خواہ ریاستہائے متحدہ اپنی شرائط مسلط کرنے کی اہلیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، اس امر میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ پاکستان اپنے قدم جمائے رکھے گا، تمام مکروہ قسم کی شرائط کو ٹھکرا دے گا اور اولوالعزمی سے غیر ملکی مداخلت کی مزاحمت کرے گا۔ اسے ہندوستان کے ساتھ تقابل

www.bhutto.org

اس وقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ علاقائی اور ان بنیادی تنازعات کا جو مشرقی اور مغربی پاکستان پر اثر انداز ہوتے ہیں اطمینان بخش تصفیہ نہ ہو جائے۔

تاہم یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ پاکستان کسی بھی صورت میں ہندوستان کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہتا۔ جغرافیائی، تاریخی اور ثقافتی رشتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دور افتادہ اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات کو یکساں طور سے بہتر بنانے کی ہماری دلی خواہش کے مدِ نظر ہندوستان کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کرنا قدرتی بات ہوگی۔ لیکن نتیجہ خیز ہونے کیلئے تعاون لازمی طور پر ایسی اقوام کے درمیان حقیقی برابری کی بنیادوں پر ہونا چاہیئے جن کے مابین نہ ایک دوسرے کیخلاف تعصبات ہوں اور نہ علاقائی یا بنیادی تنازعات۔ تعاون اور ناانصافی اکٹھے قائم نہیں رہ سکتے۔ کیا برطانیہ کیلئے آزادی سے پہلے عدم مساوات اور تسلط کی بنیادوں پر ہندوستان کے ساتھ تعاون ممکن ہوتا؟ یا استعماری حالات کی موجودگی میں کیا فرانس الجزائر کے ساتھ تعاون کر سکتا تھا؟ جب ہندوستان اشتراکِ عمل کی بات کرتا ہے تو اس کے ذہن میں حقیقی تعاون کا تصور نہیں ہوتا۔ وہ تعاون کے نعرے کو ایسے پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کرتا ہے جس سے وہ عالمی رائے عامہ کو بہکا سکے اور پاکستان کو دھوکا دے پائے۔

کیا ہندوستان کے ساتھ ہمارا جھگڑا ابدی ہے؟ ابدی جھگڑوں کا وجود نہیں، لیکن ابدی مفادات ہوتے ہیں۔ پاکستان اپنے اصل مفادات کو صرف اسی طرح محفوظ رکھ سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اس وقت تک تقابل قائم رکھے جب تک کہ تمام تنازعات منصفانہ طور پر حل نہ ہو جائیں۔ یہ بات پاکستان کے لوگوں کا جزوِ عقیدہ ہے کہ وہ دن آئے گا جب جموں اور کشمیر کے عوام اپنی تقدیروں کو پاکستان کے ساتھ وابستہ کر لیں گے اور وہ دن بھی جب ہندوستان کے ساتھ پاکستان کے باقی بنیادی تنازعات کا جو اس کے مشرقی خطوں کو متاثر کرتے ہیں منصفانہ حل نکل آئے گا۔ پاکستان کے لوگ ہندوستان کیساتھ ایسے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں

www.bhutto.org

جو الجھاووں سے پاک ہوں۔ تقابل کو جس کا مطلب نہ جنگ ہے نہ امن، دفاع کی ایک تدبیر کے طور پر جاری رکھنا اس وقت تک ضروری ہے جب تک ہندوستان پاکستان کے ساتھ تمام اہم تنازعات کو طے شدہ بین الاقوامی حقائق اور مساوات کے جذبے کے ساتھ حل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرلے۔ ہندوستان ایک عظیم طاقت ہے۔ اس کے پاکستان کے ساتھ علاقائی اور دوسرے جھگڑے ہیں، اور وہ پاکستان کو ختم کرنے کے درپے ہے، لیکن چین کے گھیراؤ کا وہ خواہاں نہیں ــــ یعنی جب تک کہ یہ بات اس کے اپنے اغراض کے موافق نہ ہو۔ اس لئے ہندوستان کے خلاف محاذ آرائی لازمی اور ناگزیر ہے، اور فی الحال ہندی پاکستانی جھگڑوں کے تصفیئے کے سوال کا صرف یہی جواب ہے، جیسا کہ ابھی برصغیر کے دونوں ملکوں کے درمیان دیرپا امن کا بھی یہی واحد ذریعہ ہے۔ یہ غیر مساوی طاقتوں کے درمیان جدوجہد نہیں، جو کسی عظیم یا عالمی طاقت کے ساتھ تقابل کی صورت میں ہوتی۔ بے شک کسی حد تک بساط میں فرق ہے مگر یہ فرق مطلق نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس اضافی فرق کا مداوا ان عوامل سے ہو جاتا ہے: پاکستان کے مقصد کا انصاف، پاکستانی عوام کا جذبہ، جموں کشمیر کے لوگوں کا اشتراکِ عمل، جو اپنی سرزمین پر ہندوستانی قبضے سے سخت ناخوش ہیں اور پاکستان کی بڑی برادری میں شمولیت کی خواہش رکھتے ہیں، اور وہ بے حد و انتہا حمایت جو پاکستان کو عوامی جمہوریہ چین سمیت دوسرے ممالک سے ملی ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی باہمی محاذ آرائی کی جڑیں ہماری تاریخ میں دور تک اتری ہوئی ہیں، اور اس کو مخالفت چاہے جتنی بھاری ہو، اس وقت تک جاری رہنا پڑے گا جب تک انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ وہ امن جس سے برصغیر کے ساٹھ کروڑ انسان صدیوں سے محروم ہیں اسی صورت میں دوبارہ حاصل ہو سکتا ہے کہ جھگڑوں کا تصفیہ ہو جائے۔ وہ امن جو غربت، جہالت اور بیماری کے خاتمے کیلئے بے حد ضروری ہے، اپنے جائز حقوق سے دستبردار ہو جانے سے نہیں، بلکہ ان حقوق کو حاصل کرنے ہی سے میسر آسکے گا۔ محاذ آرائی کی حکمتِ عملی

www.bhutto.org

جنگ باری نہیں ہے، بلکہ حقیقتاً اکثر اوقات اس کے اثر سے مادی جنگ کی روک تھام ہو جاتی ہے۔ وہ واحد معروف ذریعہ جس سے کوئی قوم فوجی تصادم سے پہلو بچا سکتی ہے مکمل تیاری کا ہے، صرف فوجی تیاری کا نہیں۔

ایشیا چونکہ ایک بڑے انقلاب کی لپیٹ میں ہے اس لئے مقامی ہیجانات اور تغیرات کی توقع کی جاسکتی ہے، اور ایشیائی ممالک کے رہنماؤں کو انقلاب کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سیکھنا چاہیئے اور جان لینا چاہیئے کہ اب حالات پیچھے کی طرف نہ لوٹ سکیں گے، اور نہ انہیں کسی قیمت پر بھی جوں کا توں قائم رکھا جاسکے گا۔ اگر وہ انقلاب کے طوفان کو جھیلنے کے قابل نہیں تو انہیں رہنمائی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ہوسکتا ہے کہ صرف متضاد مفادات کے ٹکراؤ سے ہی ایشیا میں آخری تصفیہ کن صورت حال ابھرے اور کسی طرح کا امن میسّر آئے۔ باہمی تقابل سے باہمی تعاون تک ایک کٹھن اور طویل راستہ طے کرنا ہوگا۔

چھوٹی قوموں نے ہمیشہ اپنی آزادی کیلئے زیادہ طاقتور قوموں کے خلاف جدوجہد کی ہے۔ انسانیت کی تمام تاریخ استحصال اور تسلّط کے خلاف مغلوب کی جدوجہد کی داستان ہے۔ پاکستان کی معاصر تاریخ بھی اسی قسم کی جدوجہد کی ایک مثال کے سوا کچھ اور نہیں۔ آزادی سے پہلے کی جدوجہد ایک اجنبی نسلی تسلّط کے خلاف تھی۔ آج یہ جدوجہد آزادی کے تحفّظ کے لئے ہے۔ زمانے کی گردش نے ہمیں پھر اسی دیرینہ خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ اب ہم کوئی محکوم قوم نہیں، ہمارے اندر ایک خودمختار قوم کی خصوصیات اور آزاد رہنے کا عزم موجود ہے۔ ہر چند کہ امن ہمارا نصب العین ہے لیکن اپنے حقوق کا دفاع بدستور ہم اہلِ پاکستان کا سب سے بڑا مقصد و مدّعا رہے گا۔ (آخری پانچ صفحات ذوالفقار علی بھٹو کی کتاب آزادی موہوم سے لئے گئے ہیں)

www.bhutto.org

ہماری سیاسی مطبوعات

آپریشن فیئر پلے — ۲۰ روپے
۵ جولائی ۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق کے اقتدار میں آنے کے مفصل واقعات اور حقائق۔ باتصویر

ایم آر ڈی، کامیابیاں ناکامیاں — ۲۰ روپے
ایم آر ڈی کے قیام سے لے کر انتخابات اور تحریک کے دوران پیش آنے والی لمحے لمحے کی کہانیاں

بھٹو کی سیاست — ۱۵ روپے
ذوالفقار علی بھٹو کی وہ تحریر جس نے ایوب خان کی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا

ولی خان آج اور کل — ۲۵ روپے
۱۹۷۲ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک۔ ولی خان کی سیاست کے خفیہ گوشے

شاہنواز بھٹو کا قتل؟ — ۱۶ روپے
سابق وزیر اعظم بھٹو کے صاحبزادے کے ساتھ پیش آنے والے واقعات۔ باتصویر

۱۹۸۵ء کے اہم سیاسی واقعات — ۲۰ روپے
ایک تاریخ ساز کتاب اس کے مطالعے کے بغیر کوئی بھی آئندہ آنیوالی سیاست کو نہیں سمجھ سکتا۔

سندھ کی فریاد — ۲۰ روپے
سندھ میں فکری اور قومی تحریکیں کیا سوچتی ہیں؟ سندھ کے سیاسی رہنما جواب دیتے ہیں۔

باتیں پگارا کی — ۲۵ روپے
پیر پگارا کے منفرد خیالات، مزے مزے کی باتیں اور انکشافات

چیخ — ۲۲ روپے
انور سن رائے کا ایک سیاسی ناول جو ظلم و تشدد کیخلاف ایک آواز ہے

سندھ کا مقدمہ — ۳۰ روپے
شکیل احمد ضیاء کا صنیف رائے کو جواب اور تاریخی حقائق کے تجزیہ پر مبنی

جو مجھ پر گذری — ۳۰ روپے
جیل میں ایک سیاستدان مولانا جاوید نعمانی پر شب ستم "کیسی گذری اور "سفید پوش" سیاستدانوں کے بارے میں صاف صاف باتیں

آج کا کراچی — ۱۶ روپے
پاکستان کا صنعتی شہر جس قسم کے سیاسی، معاشرتی، سماجی اور اقتصادی بحران کا شکار ہے، اس پر معروف صحافی الیاس شاکر کا جائزہ

بھٹو نامہ — ۱۶ روپے
ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں انکے مخالفین اور حامیوں کی رائے

میں نے ہتھیار نہیں ڈالے؟ — ۶۰ روپے
پاکستانی فوج کے ایسٹرن کمانڈر جنرل (ریٹائرڈ) اے کے نیازی کے انکشافات، خطوط اور دستاویزات اور امریکی خفیہ رپورٹوں پر مبنی ایک تاریخ ساز ریکارڈ

میں بھٹو سے ملی — ۱۲ روپے
اطالوی صحافی اوریانا فلاسی کا بھٹو سے یادگار انٹرویو اور بھٹو کی دو تاریخی تقریریں

کشمیر بنے گا پاکستان — ۱۰۰ روپے
کشمیر کی جدوجہد آزادی اور اندرونی سیاست کے بارے میں صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کی تحریر

کھری باتیں — ۲۰ روپے
شیر پنجاب غلام مصطفیٰ کھر کی سیاست کے آغاز سے لے کر آج تک کے واقعات اور انکشافات

مہاجر قومیت — ۲۰ روپے
کراچی، حیدرآباد اور سکھر کی سیاست میں نئی تبدیلیوں کے مراحل

الطاف حسین کے عزائم اور ارادے — ۲۰ روپے
مہاجر قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین کی جدوجہد مقاصد، خیالات اور پروگرام کے بارے میں جامع کتاب

نورانی سیاست — ۲۵ روپے
مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاست کے مختلف پہلو اور افکار

کراچی ازم — ۲۰ روپے
کراچی کی حالیہ سیاسی بے چینی پر لکھے جانے والے مضامین کا انتخاب۔

جی ایم سید کی منفی اور مثبت سیاست — ۱۵ روپے
ملک کے ایک متنازعہ سیاستداں کی سیاست کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ اور انکے خیالات

ایوب خان تخت نشینی سے تختہ الٹنے تک — ۲۰ روپے
سابق صدر ایوب خان کی سیاست اور کردار پر جامع کتاب

ہمالہ رو پڑا — ۳۵ روپے
ممتاز بیوروکریٹ الطاف گوہر کے افکار، خیالات اور سوچ کا قلمی اظہار

ذوالفقار علی بھٹو — ۲۰ روپے
پھانسی کی کوٹھری سے تختہ دار تک
بھٹو کے مقدمہ قتل کے دوران مختلف مرحلوں پر کس نے کیا کردار ادا کیا۔ اس دوران بھٹو کیا سوچتے تھے؟

دستیاب ہیں

www.bhutto.org

پانچ سالہ سیاسی تاریخ کا نچوڑ

MRD
ایم آر ڈی
کامیابیاں ناکامیاں

تحریر — الیاس شاکر

ملک کی تاریخ کے طویل ترین سیاسی اتحاد
کے قیام سے لیکر، آج تک کی داستان

پیر پگارا . جی ایم سید . غلام مصطفیٰ جتوئی . ایس ایم عباسی .
نوابزادہ نصیر الدین . پیار علی الانہ . نفیس صدیقی . عابد زبیری .
مشتاق مرزا اور انور عباس نقوی کے انکشافات

جب تحریک چل رہی تھی تو ہمارے ساتھی سازشوں میں مشغول تھے .
پنجاب نے صرف زبانی ساتھ دیا .
بیگم بھٹو نے کہا کہ " میں نے جمہوریت کی خاطر اپنے شوہر کے
قاتلوں سے ہاتھ ملایا ہے "
محمد خان جونیجو اور سردار عبدالقیوم کے ردعمل
بہت کچھ بلکہ سب کچھ اور بہت سی باتیں

ایک سو نادر تصاویر، جیل کے خطوط، اہم دستاویزات کے عکس

لفظ لفظ بارود، سطر سطر دھماکہ

قیمت بیس روپے

شبل پبلیکیشنز
عظمیٰ آرکیڈ مین کلفٹن روڈ
دوسری منزل کراچی . فون: ۵۳۳۴۱۴

www.bhutto.org